زیر سر پرستی داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

# خضرِ راہ

شمارہ 5

جلد 1

مئی ۲۰۱۳ء

جمادی الاخریٰ / رجب ۱۴۳۴ھ

**مجلس ادارت**

| | | |
|---|---|---|
| مدیر اعلیٰ | : | شوکت علی سعیدی |
| مدیر مسئول | : | محمد جہانگیر حسن |
| معاون مدیر | : | ضیاء الرحمن علیمی |
| معاون مدیر | : | اشتیاق عالم مصباحی |

**مولانا حسن سعید صفوی**

نگراں اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

**مجلس منتظمہ**

| | | |
|---|---|---|
| نگراں | : | غلام مصطفیٰ ازہری |
| سرکولیشن منیجر | : | اشتیاق احمد عارفی |
| کمپوزر | : | رکن الدین سعیدی |
| تزئین کار | : | تنویر احمد |

**نوٹ:** مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ : Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263

**مراسلت کا پتہ**

ماہنامہ خضرِ راہ


**KHIZR-E-RAH (MONTHLY)**

**JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,**
**Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213**
**E-mail :** khizrerah@gmail.com
**Mob.:** 9312922953, 7860604036


ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

| | |
|---|---|
| قیمت فی شمارہ | ₹ 20 : |
| قیمت سالانہ | ₹ 200 : |
| لائبریری اور سرکاری ادارے | ₹ 500 : |
| بیرون ممالک | $ 40 : |
| اعزازی ممبرشپ | ₹ 5000 : |

**نوٹ:** رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا


**PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI**
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

# خضر راہ


| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مناقب: | شاہ احسان اللہ محمدی، منشی عزیز اللہ | ۳ | ضیائے حدیث: | مقصود عالم سعیدی | ۱۱ |
| عرفانی مجلس: | شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی | ۴ | شہ پارۂ اسلاف: | مخدوم شیخ سعد خیر آبادی | ۱۳ |
| اداریہ: | جہاں گیر حسن مصباحی | ۵ | اسرار التوحید: | شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ | ۱۶ |
| دعوت قرآن: | ذیشان احمد مصباحی | ۷ | شخصیت: | فیضان عزیزی | ۱۸ |


## علم و عرفان


| مضامین | مضمون نگار | صفحہ |
|---|---|---|
| ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہو | مفتی کتاب الدین رضوی | ۲۲ |
| علم غیب قرآن کی روشنی میں | ضیاء الرحمن علیمی | ۲۶ |
| دین کس سے حاصل کریں | غلام مصطفیٰ ازہری | ۳۰ |
| رزق کے اسباب | جہاں گیر حسن مصباحی | ۳۴ |
| امانت | اشتیاق عالم مصباحی | ۳۷ |
| صراط مستقیم کا حصول | امام الدین سعیدی | ۴۰ |
| بیمار دلوں کی پہچان | فیضان عزیزی | ۴۳ |
| مخدوم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ | سید دانش بقائی | ۴۷ |
| مخدوم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ کے ارشادات | جہاں گیر حسن مصباحی | ۵۰ |
| مادیت کیا ہے؟ | محمد شہباز عالم مصباحی | ۵۳ |
| دس انمول نصیحتیں | محمد صدام حسین رضوی | ۵۵ |
| دنیا کی حقیقت | سید سلمان | ۵۹ |
| آپ کے SMS | قارئین | ۶۰ |
| مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم | ادارہ | ۶۱ |

# مناقب

## بھیک پاتے ہیں ترے در سے سبھی

یک نظر بر من بحق خواجگی
اِنَّنِی فِی بَحْرِ ھَمٍّ خُذْ یَدِیْ
یا معین الدین چشتی سنجری

آپ کی روحانیت سے بے دریغ
مستفیض ہیں ہند کے سارے ولی
یامعین الدین چشتی سنجری

نقشبندی سہروردی قادری
بھیک پاتے ہیں ترے در سے سبھی
یا معین الدین چشتی سنجری

وہ ہے شیخ وقت امام الاولیاء
جس کو تیری ذات سے نسبت ہوئی
یا معین الدین چشتی سنجری

آپ کی چشمِ کرم کا منتظر
بندۂ عاجز سعیدؔ ہے ہر گھڑی
یا معین الدین چشتی سنجری

تیرے منگتوں میں ہے شامل بوسعیدؔ
بندۂ ادنیٰ غلامِ شہ صفی
یا معین الدین چشتی سنجری

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

## شاہِ خادم یہ کیا کیا تم نے

سب کو دل سے بھلا دیا تم نے
شاہِ خادم یہ کیا کیا تم نے

لطف سے شوق سے محبت سے
کن اداؤں سے دل لیا تم نے

کھینچ کر میرے دل کو اپنی طرف
دے دیا ذوقِ بے ریا تم نے

صفحۂ دل پہ تھا خدا کا نام
لکھ دیا اس پہ حاشیہ تم نے

وہ جمالِ جمیل دکھلا کر
کھول دی شانِ کبریا تم نے

جس کو چاہا بنادیا فوراً
محرمِ سرِ اولیا تم نے

خاکِ در ہو کے میں عزیزؔ ہوا
کردیا مجھ کو کیمیا تم نے

منشی عزیز اللہ شاہ قدس سرہٗ

# عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

## علما مثل آب ہیں

امسال (۲۰۱۲) عید کے بعد چند لوگوں کے ساتھ جن میں ایک عالم دین بھی تھے، دھاراوی ممبئی میں حضور داعی اسلام کی ایک مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ تعارف کے بعد گفتگو شروع ہوئی اور آپ نے فرمایا:

علما پانی کی طرح ہیں، پانی کبھی اپنے طبعی رنگ، بو اور مزہ پر باقی ہوتا ہے جب کہ کبھی ان اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بدلا ہوا ہوتا ہے۔ یوں ہی کچھ علما ایسے ہوتے ہیں جو اعمال صالحہ کے رنگ میں رنگے، اخلاق حسنہ کی خوشبو سے مہکتے ہوتے ہیں اور ان کے اندر عقائد صحیحہ کا ذوق ومزہ رچا بسا ہوتا ہے جب کہ بعض علما ایسے ہوتے ہیں جن پر اعمال صالحہ کے بجائے معصیت کا رنگ چڑھا ہوتا ہے، ان کے اندر سے بداخلاقی کی بدبو پھوٹتی ہے اور ان کی طبیعت میں بدعقیدگی کی بدمزگی پائی جاتی ہے۔

فقہائے اسلام نے فرمایا ہے کہ: اسی پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جو اپنے مذکورہ بالا تینوں اوصاف پر باقی ہو اور اگر ان تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی بدل جائے تو ایسی صورت میں اس پانی سے طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ جو علما اعمال صالحہ، خوش اخلاقی اور خوش عقیدگی تینوں کے جامع ہوں ان سے ہی دین کو حاصل کرنا چاہیے اور انھیں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے اور جن علما پر بداعمالی کا رنگ چڑھا ہو، جن سے بداخلاقی کا تعفن پھوٹتا ہو اور جن کی طبیعت میں بدعقیدگی ہو وہ فاسق مردود الشہادہ ہیں ان سے نہ دین لینا چاہیے اور نہ ان کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے اور اگر لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہوگئی ہوں کہ ان کو صاف وشفاف پانی اچھا نہ لگے بلکہ گندہ اور گدلا پانی میٹھا معلوم ہو تو یہ ایک بیماری ہے اور اس کے علاج کے لیے مشائخ کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ (کہف)

ترجمہ: اپنے آپ کو ان لوگوں کی صحبت میں جمائے رکھو جو صبح وشام اس کی رضا کے لیے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور دنیاوی زیب وزینت کے لیے ان سے اپنی نگاہیں نہ پھیرو اور ان کی پیروی نہ کرو جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی خواہش کا غلام ہے اور جس کا معاملہ حد سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ (ترتیب: ضیاء الرحمن علیمی)

●●●

جہاں گیر حسن مصباحی

# ہمارا ایمان و عمل کیسا ہو؟

## مرض کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ...۱۳۶ (نسا)

ترجمہ: اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر، قرآن کریم پر جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا اور آسمانی صحیفے پر جو اس سے پہلے نازل ہوئے۔

اس آیت کریمہ میں مومنوں کو ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہمارا ایمان ابھی تک پختہ نہیں ہے اور اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین کی وہ دولت نہیں ملی ہے جو ایک مومن کی شان اور پہچان ہوا کرتی ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم مومن ہو کر بھی مومن نہیں، کیونکہ اگر کوئی مومن ہو کر بھی مومن والا عمل نہیں کرتا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ایسے مومن کو مومن کیوں کر کہا جائے، جب تک کہ ''اقرار لسانی'' اور ''تصدیق قلبی'' کے نور سے اس کا ظاہر و باطن روشن نہ ہو جائے۔

آج ہم نے اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور فرشتوں کے وجود کو زبانی طور پر تسلیم تو کر لیا ہے مگر ان باتوں پر ابھی تک ہمارا یہ یقین راسخ نہیں ہو سکا ہے کہ:

۱۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی حساب کے دن کا مالک ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچا، خیر کا سرچشمہ اور ہمارے لیے سرمایہ حیات ہے۔

۳۔ قرآن کریم میں ہمارے لیے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

۴۔ فرشتے ہمارے اچھے برے اعمال لکھنے پر مامور ہیں جن کا ہمیں حساب و کتاب دینا ہے۔

ورنہ کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہم ایسے اعمال کے مرتکب ہو رہے ہیں جو نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، جن کا انجام دین و دنیا دونوں میں صد فی صد نقصان دہ ہے اور یہ جاننے کے بعد بھی ہم عملی طور پر کفر پہ کفر کیے جا رہے ہیں کہ اللہ کفر کرنے والوں کو اپنی طرف راہ نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۱۳۶ (نسا)

ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کا انکار کرتا ہے، وہ دور کی گمراہی میں بھٹک رہا ہے۔

یہاں انکار کی نسبت کفار و مشرکین کی جانب نہیں ہے بلکہ اس مومن کی جانب ہے جس نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ رکھا ہے لیکن اس کا دل ابھی تک مومن نہیں ہوا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زبانی اقرار کرتا ہے لیکن اس پر عامل نہیں اور جو واجبات و فرائض کا منکر تو نہیں ہے، لیکن واجبات و فرائض کی ادائیگی سے اس کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے، یعنی اقرار کے

پردے میں کمال جرأت سے انکار کررہا ہے، یہ جرم عظیم ہے۔
اس کی مثال ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ انسان جس ملک میں رہتا ہے اس پر وہاں کے نظام وقانون کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس کی پابندی بھی لازم وضروری ہے، اگر وہ ملکی نظام کو مانتا تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا ہے تو وہ ملک کا مجرم اور غدار کہلائے گا، اسی طرح اگر ہم اللہ کو اپنا مالک اور احکم الحاکمین تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اس کے بنائے ہوئے ہر نظام اور ہر قانون پر عمل نہیں کرتے ہیں تو ہم بھی اللہ کے مجرم، اس کے باغی اور دین کے غدار کہلائیں گے، اس لیے ہمیں اپنے قلبی کفر سے توبہ کرنا چاہیے، ورنہ بصورت دیگر نہ ہماری بخشش ہوگی اور نہ ہی اللہ ہمیں ہدایت دے گا۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ (نسا)
ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر وہ کفر میں حد سے زیادہ بڑھ گئے، اللہ ان لوگوں کی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ انھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے گا۔
کیونکہ ایمان لانا پھر اس کے بعد کفر کرنا یہ عمل منافقوں والا ہے اور اللہ تعالیٰ نہ تو منافقوں کی مغفرت فرمائے گا اور نہ ہی انھیں اپنی طرف راہ دے گا اور یہ بھی طے ہے کہ اللہ تعالیٰ جنھیں اپنے فضل وکرم سے کچھ حصہ نہ دے اُن کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔
ایسے ہی لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ (نسا)
ترجمہ: منافق لوگوں کو یہ خبر سنادیں کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔
چنانچہ ہر مومن اپنا اپنا محاسبہ کرے اور اپنے اپنے دل میں جھانکے کہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں اس کا ایمان کہاں تک سلامت ہے اور کہاں تک کفر کے دلدل میں بھٹک رہا ہے، کہیں اس کا دل منافق تو نہیں ہوگیا ہے۔

## علاج کیا ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر مومن کا دل منافق ہوگیا ہے تو اس کی منافقت سے کیسے محفوظ جائے اور اس مرض سے شفا پانے کی کیا صورت ہوگی؟
اس کا حل بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ (بقرہ)
ترجمہ: شیطان کے نشان قدم کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴿۱۲۰﴾ (انعام)
ترجمہ: ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دو۔
شیطان مومن کو دو طرح سے گمراہ کرتا ہے: ۱۔ ظاہری اعتبار سے ۲۔ باطنی اعتبار سے
ظاہری اعتبار سے اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ وہ مومن کے ذہن سے یہ بات نکال دیتا ہے کہ اللہ، روز جزا کا مالک (مالك يوم الدين) ہے، جب کہ وہ حساب لینے پر آئے گا تو اس کی شانِ قہاری اور جباری کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہوگی،

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت (رحمة للعلمین) ہونے کا واسطہ دے کر اطاعت و فرماں برداری سے دور کر دیتا ہے، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت کا دعویٰ محض دعویٰ ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ‌ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا⁸⁰ (نسا)
ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اللہ و رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا تو ہم اُس پر دست حفاظت نہیں رکھتے۔
اور باطنی اعتبار سے اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ انسان کو حسنِ ظن نہیں رکھنے دیتا ہے، مثلاً اگر کوئی عالم ہے تو اس کے دل میں علم کا زعم ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ کسی دوسرے کو عالم سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے، اگر کوئی پانچ وقتوں کا نمازی ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اس سے بڑا کوئی نمازی نہیں ہے، اگر کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے کہ تو اُسے اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اس سے زیادہ خرچ کرنے والا کوئی اور نہیں ہے، غرض کہ نیک کام کرنے والوں کے دلوں میں خود پرستی کا مرض پیدا کر کے، اس کے نیک اعمال کو برباد کر دیتا ہے اور بندوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ دو مشائخ کے درمیان بھی حسد و جلن پیدا کر دیتا ہے، شیخ کو گھمنڈ اور غرور میں مبتلا کر دیتا ہے اور مرید کے دل میں ریا اور مکاری ڈال کر اُسے اللہ سے دور کر دیتا ہے۔
چنانچہ اگر ہم خود کو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے پاک رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی نیک شخصیت کی صحبت میں جائیں جو مجمع البحرین (شریعت و طریقت کا جامع) ہو اور وہ خاموش رہنے سے ملنے والی نہیں، بلکہ اس کے لیے اس بات پر یقین کرنے کے ساتھ گھر سے نکلنا ہوگا کہ آج بھی اللہ کے ایسے نیک بندے موجود ہیں جن سے ملاقات کے بعد قلب زندہ ہو جاتا ہے اور وہی ہستی طالب مولیٰ کے لیے ''خضر'' ہوتی ہے۔
اس لحاظ سے آپ ماہنامہ ''خضر راہ'' پڑھیں گے تو ہمیں یقین ہے کہ آپ کو ناکامی نہیں ہوگی، کیونکہ ''خضر راہ'' ایک طرف شریعت و طریقت کی رہنمائی کرتا ہے تو دوسری طرف حقیقت و معرفت کے نور سے باطن کو روشن کر دیتا ہے، مثلاً:
اس میں شامل مضامین کے مطالعے کے بعد آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ عناد ہمیں کس طرح حق تسلیم کرنے سے روکتا ہے؟ توسل کی کتنی صورتیں ہیں؟ شیخ کے انتخاب میں احتیاط کیوں ضروری ہے؟ خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کی تعلیمات و ارشادات کیا ہیں جنھیں ہم نے بھلا دیا ہے، علم غیب کا قرآنی مفہوم کیا ہے؟ فاسق کی پہچان کیا ہے اور اس سے دین سیکھنے کی کیوں ممانعت آئی ہے؟ کن اسباب کی بنا پر رزق میں کشادگی ہوتی ہے؟ امانت کا مفہوم کیا ہے اور سماج و معاشرے میں اس کی ضرورت کس حد تک ہے؟ صراط مستقیم کا حصول کیسے ممکن ہے؟ قلب کے امراض (حسد، کینہ، کبر، غرور) کیسے دور ہوں اور دنیا کی حقیقت کیا ہے؟
اس کے علاوہ خصوصی گوشہ کے تحت سلسلۂ صفویہ کی قابل فخر ہستی کی حیات اور اُن کے ارشادات سے بھی دین و دنیا میں رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔
ہمیں امید ہے کہ یہ تازہ شمارہ بھی آپ کے لیے تزکیہ قلبی سکون اور ایمان کی تازگی بخشنے کے ساتھ تعمیر اخلاق اور تعمیر انسانیت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

✲✲✲

# عناد کا کوئی علاج نہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧ (البقرۃ)

ترجمہ: جولوگ کفر کے در پے ہیں، اُنھیں تم اللہ کے عذاب سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، اُن کے لیے سب برابر ہے۔ وہ ایمان لانے کو نہیں۔ اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر کردی ہے، اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

قرآن سراپا اعجاز ہے۔ اس کا کھلا چیلنج ہے کہ جس کسی کو بھی اس میں شک ہو وہ اس جیسی ایک آیت ہی پیش کردے یا اس کے بیانات میں تضاد ہی دکھادے۔ پوری دنیا میں صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ خالق کائنات کی طرف سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے اور اس میں تمام انسانوں کی ہدایت کا سامان ہے۔ پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت کو انسانوں تک پہنچایا اور ان سے کہا کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی باتوں پر عمل کریں تاکہ وہ اس دنیا میں ایک اچھا انسان بن سکیں اور اس دنیا کے بعد آنے والی دوسری دنیا میں کامیاب وسرخرو ہوں۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام اپنی امت کی نجات و بخشش کے لیے بہت فکرمند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام انسان جہنم کے عذاب سے بچیں اور آنے والی زندگی میں راحت و سکون پائیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنی ہر بات دل کی اتھاہ گہرائی اور وحی کے مستحکم دلائل سے کہی۔ اس پر ایک طبقے نے ان کی تصدیق کی اور جنت کا حق دار بنا جب کہ دوسرے طبقے نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات نہیں مانی اور جہنم وعذاب الٰہی کا سودا کرلیا۔ حق کو ماننے والا طبقہ مومن کہلایا جب کہ اس کا انکار کرنے والا کافر کہلایا، کیونکہ کافر عربی زبان میں انکار کرنے والے کو ہی کہتے ہیں۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام اپنی امت پر اس قدر مہربان تھے اور اس کی بخشش کے لیے ایسے حریص تھے کہ جب کوئی آپ کی دعوت کو رد کرتا اور جہنم اپنا ٹھکانہ بناتا تو تڑپ اٹھتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں چاہتے تھے کہ کوئی جانے انجانے حق سے دور رہے اور مرنے کے بعد جہنم میں جائے۔ قرآن پاک میں ایک مقام پر تبلیغ وہدایت کے حوالے سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جوش دعوت اور کمال رحمت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”اے پیغمبر! ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ کفار اس پیغام پر ایمان نہیں لائے تو آپ مارے افسوس کے اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔“ (کہف:٦) ایک دوسرے مقام پر اس طرح ہے: ”ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ مومن نہیں ہوئے تو آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔“ (شعرا:٣)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ بتایا کہ یہ کتاب، کتاب لاریب اور کتاب ہدایت ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے اوصاف بیان کیے جو مومن ومتقی ہیں اور جو صحیح معنوں میں اس ہدایت سے روشنی لینے والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان بدنصیبوں کا ذکر کیا جو اس کتاب لاریب اور صحیفۂ ہدایت کو پانے کے بعد بھی تاریکی اور گمرہی میں بھٹک رہے ہیں۔ جن کے سامنے حق کا اجالا آیا مگر انھوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، صداقت کا نغمہ گونجا مگر انھوں نے اپنے کان بند کرلیے، حقیقت ان کے سامنے پیش کی گئی لیکن

انھوں نے غور وفکر کرنے اور سمجھنے سے انکار کر دیا۔ان کے انکار پر داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تڑپ اٹھنا ان کی رحمت کا تقاضا تھا،اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی ڈھارس بندھائی کہ اے محبوب! آپ پریشان نہ ہوں، یہ ایسے بدنصیب ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے،حق سننے سے ان کے کان محروم ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔وہ حق نہیں دیکھ سکتے۔وہ ایمان لانے کو نہیں۔انھیں ہر نصیحت بےسود اور ہر کوشش بےنتیجہ ہے۔

عارف باللہ شیخ علاؤ الدین علی مہائمی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:''جو لوگ قرآن کے منکر ہیں،ان کا انکار اس وجہ سے نہیں ہے کہ انھوں نے قرآن میں غور کیا اور غور کرنے کے بعد قرآن کا اعجاز وصداقت ان پر مشتبہ ہو گیا، بلکہ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یا تو قرآن میں غور ہی نہیں کیا یا عناد اور عداوت کے شکار ہو گئے۔'' (تفسیر مہائمی، زیر آیت مذکور)

سچائی بھی یہی ہے کہ جو شخص بھی منصفانہ انداز سے قرآن میں غور کرے گا اس پر حق آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا۔لیکن مسئلہ یہی ہے کہ شقاوت جن کے حصے میں مقدر ہو چکی ہے وہ قرآن کے اعجاز وصداقت میں صحیح طور سے غور ہی نہیں کرتے، یا غور کرتے ہیں تو ان کا تعصب انھیں ملنے نہیں دیتا اور وہ حق کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی باطل سے چمٹے ہوتے ہیں، انھیں رات کی سیاہی ایسی عزیز ہوتی ہے کہ دن کا اجالا پھیلتے ہی چمگادڑ کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔جو محروم بندے اس حد تک پہنچ چکے ہیں،داعی کو چاہیے کہ ان کا پیچھا چھوڑ دے اور ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دے۔

ایسے بندوں کی ہدایت کے لیے داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب و بےچینی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ اے محبوب! آپ پریشان نہ ہوں،ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں، کیونکہ ان پر مہر لگ چکی ہے،ان کے حق میں آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا سب برابر ہے۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:اول یہ کہ داعی کا منصب یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ مدعو کی ہدایت کے لیے بےچین رہے۔ دوم یہ کہ جب داعی اپنی دعوت کی پوری کوشش کر جائے اور ہر طرح کے دلائل و براہین اور حسن اخلاق و کردار سے دعوت پیش کرنے کے بعد بھی مدعو ہدایت یاب نہ ہو تو وہ معاملے کو اللہ کے سپرد کر دے اور یہ سمجھے کہ شاید ہدایت مدعو کا مقدر ہی نہیں ہے۔

سیرت پیمبر کے مطالعے سے یہاں ایک اور سبق ملتا ہے۔ وہ یہ کہ داعی کو چاہیے کہ مدعو کی ہدایت کے لیے پوری کوشش کرنے کے بعد بھی مدعو کے لیے ایک دروازہ کھلا رکھے تاکہ دیر یا سویر جب اللہ اس پر حق کھول دے تو وہ حق قبول کر سکے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو سکے۔داعی پر لازم ہے کہ اپنے قول و عمل کے ذریعے ہرگز ہرگز مدعو پر ہدایت کا دروازہ بند نہ کرے۔

حضرت ابوسفیان اور بعض دوسرے اصحاب اعلان حق کے بعد بائیس برسوں تک مسلسل اسلام دشمنی میں مصروف رہنے کے بعد جب قبول حق کے لیے تیار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں گلے لگایا اور مرحبا کہا۔یہ اس وقت ہوا جب مکہ فتح ہو گیا۔ یہاں یہ امکان باقی تھا کہ یہ ناچار مسلمان ہو رہے ہیں، دل سے نہیں ہو رہے ہیں۔لیکن پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے اس عقلی امکان کو رد فرما دیا اور جس نے بھی زبان سے حق کی شہادت دی اس کی شہادت قبول کی گئی۔

قرآن کے مذکورہ بالا فرمان ''جو لوگ کفر کے درپے ہیں انھیں تم اللہ کے عذاب سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ان کے لیے سب برابر ہے۔'' کو بعض لوگ اس زمانے میں غلط طور پر لیتے ہیں۔ وہ کفار تک یہ کہہ کر اسلام کی دعوت نہیں پہنچاتے کہ کفر اُن کا مقدر ہے، اب وہ ایمان لانے کو نہیں،وہ گمراہوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے اور ایسا اس لیے ہے کہ ان کے گمان کے مطابق گمراہوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے،وہ حق قبول نہیں کر سکتے۔ ہمارے خیال میں کسی مخصوص شخص یا جماعت کے بارے میں یہ کہنا کہ

ہدایت اس کے مقدر میں نہیں ہے، نہ صرف اپنے دعوتی فریضے سے سبکدوشی چاہنا ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ یہ صرف اللہ کا حق ہے یا اس کی وحی سے اس کے پیغمبروں کو حق ہے کہ وہ کہیں کہ فلاں شخص کے حق میں گمراہی مقدر ہو چکی ہے۔ تقدیر کا علم قطعیت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کی وحی سے اس کے پیغمبروں کو ہے۔ عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر ممکن طور پر کافر کے ایمان اور گمراہ کی ہدایت کے لیے کوشاں رہیں، بلکہ اگر اپنی پوری کوشش کرنے کے بعد بھی کامیاب نہ ہوں تو اس شخص کی ہدایت کے لیے دعا کریں اور جب بھی کوئی ایسا موقع آئے کہ وہ شخص حق کی طرف مائل ہوتا ہوا دکھے تو اپنے دعوتی مشن میں پھر سے لگ جائیں۔

قرآن نے پہلے مومن اور متقی بندوں کا ذکر کیا اور پھر کفار کا ذکر فرمایا۔ یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں کفر کیا ہے؟ تاکہ ہم صحیح طور پر کافر کا مفہوم سمجھ سکیں۔

امام فخر الدین رازی رقمطراز ہیں:

''پیغمبر علیہ السلام کے قول وعمل کے حوالے سے جو کچھ بھی منقول ہے وہ یا تو بداہت اور عقل صریح سے ثابت ہوگا یا استدلال سے یا خبر واحد سے، پہلی صورت یعنی وہ امور جن کے بارے میں بداہت سے یقینی طور پر معلوم ہے کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، جو شخص ان تمام امور میں آپ کی تصدیق کرے وہ مومن ہے اور جو ان تمام باتوں میں یا ان میں سے بعض باتوں میں آپ کی تصدیق نہ کرے وہ کافر ہے۔

لہٰذا کفر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری طور پر ثابت شدہ امور میں سے کسی بھی ایک امر ضروری کے انکار کا نام ہے۔ مثلاً کوئی خالق کے وجود کا انکار کرے یا اس کے قادر و مختار یا اس کے ایک ہونے یا بے عیب ہونے کا انکار کرے یا پیغمبر علیہ الصلاۃ و السلام کی نبوت کا انکار کرے، قرآن کی صحت کا انکار کرے یا ان احکام کا انکار کرے جن کا دین محمدی سے ہونا بداہتاً ثابت ہو، مثلاً نماز، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے یا سود اور شراب کی حرمت کا انکار کرے تو ایسا شخص کافر ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے ایسی باتوں میں نبی کی تصدیق نہیں کی، جن کا دین محمدی سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہے۔

رہے ایسے امور جن کا دین محمدی سے ہونا استدلال سے ثابت ہے، مثلاً یہ کہ اللہ عالم بالذات ہے، یا عالم بالصفات، اسی طرح یہ مسائل کہ اللہ قابل دید ہے یا قابل دید نہیں ہے، وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے یا خالق نہیں ہے، ان میں سے کوئی بات قطعیت اور تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، کیوں کہ ان میں یہ احتمال ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں غیر متعین طور پر کوئی ایک پہلو ہی شریعت محمدی کا حصہ ہو، ان میں ایک پہلو کی صحت اور دوسرے کا بطلان استدلال کے ذریعے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی کا اقرار یا انکار حقیقت ایمان کا حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بات موجب کفر نہیں ہوگی اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بات حقیقت ایمان کا جزو ہوتی تو لازمی طور پر پیغمبر علیہ الصلاۃ و السلام صرف اسی کو مومن کہتے جس کے بارے میں جانتے کہ وہ اس مسئلے میں حق سے واقف ہو چکا ہے اور اگر یہ صورت ہوتی تو اس مسئلے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد پوری امت میں معروف و مشہور ہوتا اور تواتر کے ساتھ نقل کیا جاتا اور جب ایسا منقول نہیں ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو اس مسئلے پر موقوف نہیں رکھا۔ لہٰذا نہ اس مسئلے کا اقرار ایمان کہلائے گا اور نہ ہی اس کا انکار باعث کفر ٹھہرے گا۔

اس اصول کے پیش نظر اس امت کے کسی فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ہم تاویل کرنے والوں کی تکفیر کریں گے۔

رہی دین کی وہ بات جو خبر آحاد سے ثابت ہو تو ظاہر یہی ہے کہ ایمان و کفر کا مدار اس پر نہیں ہے۔ کفر کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہی ہے۔ (تفسیر کبیر زیر آیت: ان الذین کفروا)

٭٭٭

# وسیلہ احادیث کی روشنی میں

اسم اعظم اور نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کے بارے میں آپ نے پڑھا، ہمیں امید ہے کہ اسم اعظم اور نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کے سلسلے میں جن احادیث کریمہ کو ہم نے پیش کیا ہے، ان کی روشنی میں آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ اسم اعظم اور نیک اعمال کو وسیلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

اب ہم جن احادیث کریمہ کو پیش کرنے جارہے ہیں ان کی روشنی میں آپ کے لیے یہ جاننا آسان ہوجائے گا کہ توسل بالذات کی کتنی شکلیں ہیں اور کسی ذات کو وسیلہ بنانا شریعت میں کیسا ہے؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کی بارگاہ میں کسی مقبول شخصیت کا وسیلہ لے کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

یا اللہ! میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں جس کو میں تیری بارگاہ میں پیش کرکے وسیلہ بناؤں۔

البتہ! فلاں بندہ تیری بارگاہ میں مقبول ہے اور مجھے اس سے محبت وعقیدت ہے اور مقبولین سے عقیدت ومحبت رکھنے پر حسب ارشاد نبوی کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت وعقیدت رکھتا ہے (المرء مع من احب) تیرا وعدۂ رحمت ومحبت ہے (گویا یہ شخص اپنی محبت کو اس شخص کے ساتھ ظاہر کرکے اس محبت پر دعا مانگتا ہے)

یا اللہ! بس میری اس محبت کی لاج رکھتے ہوئے جو مجھے تیرے اس نیک اور برگزیدہ بندوں سے ہے، میری دعا قبول فرما۔ چنانچہ دراصل یہ اس تعلق کو وسیلہ بنارہا ہے جو اس کو اللہ کے نیک بندوں سے ہے اور یہی توسل بالذات کی حقیقت ہے۔

توسل بالذات کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں:

۱۔انبیا سے توسل ۲۔غیر انبیا سے توسل

۳۔زندوں سے توسل ۴۔وفات یافتہ سے توسل

### ● انبیا سے توسل کا ثبوت

امام محمد عیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ توسل بالنبی کے سلسلے میں حدیث حسن نقل فرماتے ہیں جو حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَجُلاً ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي۔ قَالَ: إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قَالَ:فَادْعُهُ، قَالَ:فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ:اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِيَ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ (سنن ترمذی، باب صلاۃ الحاجۃ)

ترجمہ: ایک نابینا صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میرے لیے اللہ سے عافیت کی دعا فرمادیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرلو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: دعا فرمادیجئے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: دو رکعت نماز ادا کرو اور اس طرح

دعا کرو کہ:

یا اللہ! تیرے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تا کہ میری حاجت پوری ہوجائے، یا اللہ! اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (راوی کہتے ہیں کہ اس نابینا صحابی نے جا کر اسی طرح دعا کی)

اس کے بعد وہ نابینا صحابی صحیح البصر (یعنی دیکھنے کے قابل) ہو گئے۔

● غیر نبی سے توسل کا ثبوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قَحِطُوا اِسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ:

اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ۔

(بخاری، باب سوال الناس)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے باران رحمت کی دعا کرتے ہوئے فرماتے:

یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے تو ہمیں تو سیراب کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں، لہٰذا ہمیں سیراب فرما، چنانچہ تمام لوگ سیراب کر دیے جاتے۔

● زندوں سے توسل کا ثبوت

ان دونوں احادیث سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اور غیر نبی کی ذات کے وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زندوں کو وسیلہ بنانا درست ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے وسیلے سے دعا مانگنا صحابہ کرام کا معمول تھا اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حیات میں، ان کے وسیلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے اور ان کی دعائیں قبول بھی ہوتی تھیں۔

● وفات یافتہ سے توسل کا ثبوت

حضرت اوس بن عبداللہ کی ایک ثقہ روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ. قَالَ: فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ، وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ، فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ. (سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ نبیہ)

ترجمہ: ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں سخت سوکھا پڑ گیا، مدینہ والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، آپ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جاؤ اور اس کی ایک کھڑکی کو اس طرح آسمان کی طرف کھولو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔

راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ بہت زیادہ بارش ہوئی یہاں تک کہ خوب سبزہ اُگ آیا اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے، اسی لیے اس سال کا نام ہی 'عام الفتق' رکھ دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد بھی اللہ کے محبوبین اور نیک بندوں کا وسیلہ بنانا درست ہے۔ (جاری)

٭٭٭

# شیخ کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت

جامع شریعت وطریقت حضرت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس سرہٗ (متوفی:۹۲۲ھ) نویں صدی ہجری کے عظیم عالم صوفی اور بلند پایہ درویش گزرے ہیں۔انھوں نے ساتویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف متن تصوف الرسالة المكية کی عالمانہ اور عارفانہ شرح لکھی اوراس کا نام مجمع السلوك والفوائد رکھا جوکل بھی شریعت وطریقت کا عطر مجموعہ اور سالکین وطالبین کے لیے دستور العمل تھا اور آج بھی تصوف کا ایک انمول خزانہ ہے۔اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مولانا ضیاء الرحمن علیمی نے کیا ہے جونظر ثانی کے مرحلے میں ہے،اس سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے جوشیخ کے انتخاب سے تعلق رکھتا ہے۔(ادارہ)

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں:

اِذَا وَصَلَ الْمُرِيْدُ اِلٰى شَيْخٍ يَحْتَاطُ وَيَجْتَهِدُ فِيْ مَعْرِفَةِ الشَّيْخِ اَنَّهٗ هَلْ يُصْلِحُ مَسِيْئًا وَيَجُوْزُ الْاِقْتِدَاءُ بِهٖ۔

مخدوم شیخ سعد خیرآبادی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب کوئی مولیٰ کی طلب رکھنے والا کسی شیخ کے پاس پہنچے تو اُسے چاہیے کہ احتیاط کرے اور شیخ کو پہچاننے کی کوشش کرے کہ کیا شیخ موصوف کسی بدکردار کی اصلاح کرسکتا ہے اور کیا اس کی اقتدا کرنی جائز ہے یا نہیں؟

یعنی یہ دیکھے کہ اس شیخ کی صحبت اوراس کی نظر کی تاثیر سے فسق کرنے والے گنہگار توبہ کرتے ہیں، صلاح وطاعت اختیار کرتے ہیں یا نہیں، اس شیخ کے اعمال، شریعت وطریقت کے موافق ہیں یا نہیں، اگر یہ دو صفتیں اس شیخ کے اندر دیکھے تو اس کی ارادت میں داخل ہوجائے اور خود کو اس شیخ کا محکوم بنالے اور ایسا ہوجائے جیسے کہ مردہ، غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اقوال وافعال میں اس کی پیروی کرے، یہاں تک کہ شیخ اُسے مقصود تک پہنچادے اور جس شیخ میں یہ دونوں صفتیں جن کا تعلق ظاہر سے ہے نہ ہوں تو اُس شیخ کی صحبت سے گریز کرے اور خود کو اس کا پیروکار نہ بنائے، کیوں کہ:

اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ (ظاہر باطن کا پتا دیتا ہے)۔

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّ اَكْثَرَ الطَّالِبِيْنَ هَلَكُوْا فِيْ هٰذَا الْمَنْزِلِ بَلْ هِلَاكُ عُمُوْمِ النَّاسِ كَانَ بِالْاِقْتِدَاءِ بِالْاَئِمَّةِ الْمُضِلَّةِ۔

مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس سرہٗ شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس لیے کہ بیشتر طالبین اسی مقام پر ہلاک ہوئے، بلکہ عام لوگوں کی ہلاکت گمراہ اور گمراہ کرنے والے علما ومشائخ کی پیروی کی وجہ سے ہی ہوئی۔

گمراہ کرنے والے علما اور مشائخ وہ ہیں جو شریعت کے پابند نہ ہوں جو دنیا، نفس، جاہ ومرتبہ اور خود بینی وخودرائی میں گرفتار ہوں، جن کی نظر ہمیشہ غیروں پر ہوتی ہے اور جن کا باطن پراگندہ ہوتا ہے۔

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الحق والشرع والدین فرماتے ہیں کہ:

اے جواں مرد! جوشخص گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا وہ

متقیوں کا امام اور طالبان مولیٰ کا رہبر کیسے بنے گا؟

شیخ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ فانی ہو اور فنا کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ برے اوصاف جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور کرنے والے ہیں اُن سے فانی ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فلاح وکامرانی کا دارومدار بری صفات سے نفس کے تزکیہ پر رکھا ہے۔

چنانچہ اللہ رب العزت فرماتا ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس)

(جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے نفس کو گندہ کردیا وہ نامراد ہوگیا)

جو شخص خود کامیاب نہیں اُس کی صحبت سے کوئی دوسرا شخص کامیاب نہیں ہوسکا اور کوئی دوسرا شخص کامرانی کے پھل نہیں کھاسکا۔

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَقَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَوَعَدْتُّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ (ابراہیم:۲۲)

(اور جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا وعدہ تھا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بُلایا تو تم نے میری بات مان لی، اب مجھ پر الزام نہ رکھو خود اپنے اوپر الزام رکھو۔)

## آیت کریمہ کا پس منظر

روایت میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے اور جن امور پر قلم قضا چل چکا تھا وہ مکمل ہوجائے گا اور ہر قوم اپنے مقام پر پہنچ جائے گی تو دوزخی لوگ شیطان کے لیے ملامت کی زبان کھولیں گے اور اس کے گمراہ کرنے پر اپنی شکایت کا اظہار کریں گے، اس وقت شیطان ان ملامت کا جواب دینے کی کوشش کرے گا اور دوزخیوں سے کہے گا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اس نے اپنے وعدے کی سچائی کو ظاہر بھی فرمادیا تھا اور میں نے تم سے نجات کا وعدہ کیا لیکن میں نے وہ وعدہ وفا نہیں کیا اور مجھ کو تمہارے اوپر کوئی قدرت حاصل نہیں تھی۔ صرف یہ معاملہ تھا کہ جب میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری دعوت کو قبول کیا، اس لیے مجھ کو ملامت مت کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو، کیوں کہ تم نے میری دعوت اپنے ارادہ واختیار سے قبول کی تھی اور تم نے خود ہی اپنے آپ کو اس دلدل میں پھنسایا تھا: ؎

بُور دولت بہ زیر ران تو بود
چوں تو کم تاختی کسی چہ کند

ترجمہ: دولت تمہارے زانو کے نیچے تھی جب تم نے ہی آگے بڑھ کر کم لیا تو کوئی کیا کرے؟

چنانچہ جو بھی شخص گمراہ اور گمراہ کرنے والے کی اقتدا کرے گا وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا اور ملامت کا مستحق ہوگا، کیوں کہ جس چیز کی بنیاد، فاسد پر ہو وہ اور زیادہ فاسد ہوتی ہے، اس لیے طالب کو چاہیے کہ کسی شیخ کی پیروی اور اس کی اقتدا کرنے میں غور وفکر سے کام لے اور جس شخص کو سنت و جماعت کا پیروکار پائے اس کی اقتدا کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے، باقی اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔

پیر دستگیر قطب العالم شیخ مینا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ہر شخص کے حق میں اچھا گمان رکھنا چاہیے کیوں کہ

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہزار زندیق کی خدمت اس لیے کرنی چاہیے تا کہ ایک صدیق تک رسائی حاصل ہو جائے، البتہ ارادت ایک بڑا کام ہے اور اس زمانے میں ہر شخص پر نہ اعتماد رکھنا چاہیے اور نہ ہر شخص کی پیروی کرنی چاہیے، کیوں کہ آج خواہش پرست بہت زیادہ ہیں اور کوئی امتیاز بھی نہیں رہ گیا ہے اور حق پرست اولیائے کرام قدست اسرارہم نے اپنے رخ تاباں پر نقاب ڈال لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اُن کے دیدار سے مشرف فرمائے اور اُن کی خدمت میں جلدی پہنچائے۔

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں:

وَالسُّلْطَانُ هُوَ سُلْطَانُ الْحَقِّ۔

شیخ سعد خیر آبادی شرح میں فرماتے ہیں:

شیطان إِنَّ اللهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ پوری آیت پڑھنے کے بعد کہے گا وَالسُّلْطَانُ هُوَ سُلْطَانُ الْحَقِّ یعنی قدرت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، پھر تم نے اللہ رب العزت کے وعدوں کی تصدیق کیوں نہیں کی اور میرے کہنے پر کیوں راہ سے بے راہ ہو گئے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
لَا يُعْجِبَنَّكُمْ إِسْلَامُ رَجُلٍ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا عُقْدَةُ عَقْلِهٖ۔
(شعب الایمان، فصل عقل)

(رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کا ظاہری اسلام تم کو فریفتہ نہ بنا دے، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کے دل میں کیا جما ہوا ہے۔)

یعنی کسی مسلمان کے صرف ظاہری اسلام کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کامل مسلمان ہے، جب تک کہ تم یہ نہ جان لو کہ اس کی عقل کیسی ہے؟ اس کے اعمال شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اور وہ سنت کا پیروکار ہے یا نہیں، اگر یہ چیزیں اس کے پاس ہیں تو سب کچھ اس کے پاس ہے اور وہ کامل مسلمان ہے اور وہ شیخ بننے کے لائق اور مقتدا و پیشوا بننے کا مستحق ہے اور اگر اس کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں تو اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس کا یہ ظاہری اسلام کچھ بھی بار آور نہ ہوگا: ع

فردا معلوم شود کہ ما کیا ئیم

(کل معلوم ہوگا کہ ہم کون ہیں؟)

سَوْفَ تَرٰى اِذَا انْجَلَى الْغُبَارُ
أَفَرَسٌ تَحْتَكَ أَمْ حِمَارٌ

(جب غبار چھٹ جائے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر؟)

اور شیخ کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ مرید یہ یقین جانے کہ تمام انبیا کی پیروی لازمی فرض اور حق و درست ہے، بالخصوص ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو آخری نبی ہیں۔

مرید کو جاننا چاہیے کہ تمام پیغمبروں کے ادیان اصول میں ایک ہیں، میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے صفات کی معرفت، اس کے رسولوں پر اتاری ہوئی کتابوں اور ان رسولوں کی معرفت جو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور اس کے بندے ہیں اور اس کے فرشتوں کی معرفت جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، جو ہمیشہ اس کی فرماں برداری کرتے ہیں اور ہرگز اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور امور آخرت کی معرفت مثلاً عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال، جنت و دوزخ، لوح و قلم، حوض کوثر، پل صراط، میزان عمل، صور کا پھونکا جانا، یہ سب اصول دین سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ان اصولوں میں کسی پیغمبر کا اختلاف ہے اور نہ ہی کسی کے نزدیک یہ منسوخ ہیں، کیوں کہ یہ سب حقائق ہیں اور حقائق منسوخ نہیں ہوتے، بلکہ صرف فروعی احکام منسوخ ہوتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

✲✲✲

# شیخ ابوسعید: ریاضت ومجاہدہ

حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ اور نظریۂ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں ایک اہم ہستی ہیں۔ان کی پیدائش 'خراسان' کے 'میہنہ' گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی۔'' **اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید**' موسوم بہ '**مقامات خواجہ**' ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جسے آپ کے پوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔اس کا ترجمہ **مولانا رکن الدین سعیدی** استاذ جامعہ عارفیہ نے کیا ہے، جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

شیخ ابوسعید فضل اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے اب تک کے تمام علوم اور زمانۂ طالب علمی کی مصروفیات کو پس پشت ڈال دیا اور ''میہنہ'' آ گئے، پھر گھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کونے والے محراب میں ہم نے تنہائی اختیار کر لی اور سات سال تک خلوت نشیں رہے، صرف اللہ اللہ کہتے رہے۔ جب کبھی ہم پر شریعت کے تقاضا کے تحت غنودگی یا غفلت طاری ہوتی، ایک سیاہ وجود آتشیں ہتھیار کے ساتھ محراب سے نکل کر ہمارے سامنے نمودار ہوجاتا اور جس قدر ہیبت وخوف کا مظاہرہ ممکن ہوتا کرتا، ہمارے سامنے بہت ہی ہیبت ناک اور خوفناک رویہ اپناتا اور نہایت گرجدار آواز میں ہمیں کہتا: اے ابوسعید! قل اللہ (اللہ کہو)۔

ہم رات و دن اس کے خوف و دہشت سے سہمے اور لرزتے رہتے اور نیند یا غفلت سے ہمارا کوئی واسطہ نہ رہتا، یہاں تک کہ ہمارے تمام در و دیوار نے اللہ اللہ کا ورد کرنا شروع کردیا، ہم پھر پیر ابوالفضل حسن کے پاس حاضر ہوئے، پیر ابوالفضل حسن شیخ ابوسعید کے پیر صحبت تھے اور خود پیر ابوالفضل شیخ ابونصر سراج قدس سرہٗ کے مرید تھے اُن کو طاؤس الفقراء کہا گیا ہے، علم طریقت وحقیقت میں ان کی کئی تصنیفات ہیں، ان کا دولت خانہ ''طوس'' میں تھا، وہیں ان کا مزار بھی ہے۔

ابونصر سراج، ابومحمد عبداللہ بن المرتعش کے مرید تھے، وہ عظیم اور یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے، ان کی وفات بغداد میں ہوئی تھی، وہ جنید بغدادی کے مرید تھے اور جنید بغدادی، سری سقطی کے مرید تھے، سری سقطی، معروف کرخی کے مرید تھے، وہ شیخ داؤد طائی کے مرید تھے، وہ حبیب عجمی کے مرید تھے، وہ حسن بصری کے مرید تھے اور وہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مرید تھے اور حضرت علی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید، چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ ہمارے شیخ ابوسعید قدس اللہ روحہ العزیز کے مرشدوں اور شیوخ کی صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک متصل ہے۔

غرض کہ جب شیخ قدس اللہ روحہ العزیز پیر ابوالفضل کے سامنے حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی خانقاہ کے سامنے ان کو ایک حجرہ عنایت فرمایا اور برابر اُن کے احوال کی نگرانی میں لگے رہتے۔ اخلاق کی تہذیب وتحسین اور ریاضات ومجاہدے کے جو شرائط تھے، ان سب کی تلقین وتاکید فرماتے رہے۔

شیخ ابوسعید قدس سرہٗ نے بیان فرمایا: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاضرین خانقاہ ایک رات سوئے ہوئے تھے، خانقاہ کے دروازے بند تھے اور "شہرستان" کی فصیل کے دروازے بھی بند تھے اور ہم پیر ابوالفضل کے ساتھ چبوترہ پر بیٹھے ہوئے تھے، معرفت حق کی باتیں ہو رہی تھیں، مسئلہ سخت مشکل تھا، ہم نے لقمان کو دیکھا کہ خانقاہ کے اوپر سے اڑتے ہوئے آئے اور ہمارے سامنے بیٹھ گئے اور درپیش مسئلے کو حل فرمادیا، جس کی وجہ سے بات واضح ہوگئی اور جو پیچیدگی اور مشکل ہمیں پیش آئی تھی وہ ختم ہوگئی، شیخ لقمان پھر اڑے اور ایک روشن دان سے باہر نکل گئے۔

پیر ابوالفضل نے فرمایا! اے ابوسعید! اس درگاہ میں تم اس مرد حق کا مرتبہ دیکھ رہے ہو؟

ہم نے جواب دیا: حضور! ہم دیکھ رہے ہیں۔

فرایا: اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔

ہم نے دریافت کیا کہ کیوں نہ کرنی چاہیے؟

پیر صاحب نے فرمایا: اس لیے کہ یہ علم نہیں رکھتا، یہ مدہوش و بےخود ہے۔

جب ہمارے شیخ قدس سرہٗ نے ایک مدت تک اس خانقاہ میں ریاضت کرلی، تب پیر ابوالفضل نے فرمایا: ابوسعید!

تم اپنا سامان میرے محراب عبادت میں اٹھالاؤ۔

شیخ ابوسعید، پیر ابوالفضل کے حجرۂ عبادت میں آگئے اور ایک مدت تک پیر صاحب کے ساتھ ایک ہی عبادت خانہ میں مشغول ہوگئے، رات دن شیخ کے احوال و معمولات کا مشاہدہ کرنے لگے، شیخ ابوالفضل نے شیخ ابوسعید سے کئی طرح کی ریاضتیں کرائیں۔

اس کے بعد پیر ابوالفضل نے شیخ کو "میہنہ" بھیج دیا اور حکم فرمایا کہ: والدہ کی خدمت میں لگ جاؤ۔ شیخ نے وہاں سے رخت سفر باندھا اور "میہنہ" آگئے، یہاں اسی عبادت خانہ میں قیام فرمایا جو پہلے سے ان کا محراب عبادت رہ چکا تھا، جب آپ نے دنیوی تعلقات میں دلچسپی ختم کرنے کی ریاضت کا آغاز فرمایا تو اس دوران ان کو ایک خطرناک وسوسے نے اپنی گرفت میں لے لیا، وہ یہ کہ حجرۂ عبادت کی در و دیوار دھلتے اور وضو کرنے میں کئی کئی لوٹے پانی بہا ڈالتے۔ ہر نماز کے وقت مستقل غسل فرماتے اور ہرگز ہرگز کسی در و دیوار پر ٹیک نہ لگاتے، نہ ہی کسی بستر پر اپنا پہلو رکھتے۔ اس مدت میں انھوں نے بس ایک ہی کرتا استعمال میں رکھا، جب بھی وہ پھٹ جاتا، اس پر پیوند کا ایک ٹکڑا لگا دیتے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کرتا کا وزن تقریبا پندرہ کلو سے زیادہ ہوگیا۔ اس دوران شیخ نے کبھی کسی سے تکرار یا سخت کلامی نہ کی، یہاں تک کہ ضرورت کے علاوہ بھی کسی سے گفتگو بھی نہ فرمائی۔ اس طویل عرصے میں دن میں کبھی کچھ نہ کھایا، بس ایک ٹکڑا روٹی سے روزہ کھول لیتے اور رات بھر جاگتے۔ اپنے حجرۂ عبادت میں اپنی لمبائی اور چوڑائی کے حساب سے اپنے لیے ایک جگہ تیار کروائی اور اس میں داخل ہوگئے، جب وہ اندر داخل ہو جاتے تب سرائے کا دروازہ، گھر کا دروازہ اور اس حجرے کا دروازہ بند فرما دیتے اور ذکر میں مشغول ہو جاتے اور اپنے کان کے سراخوں کو بند کرلیتے تاکہ وہ کوئی ایسی بات نہ سن سکیں جو اُن کے دل میں شور شرابہ کا سبب بنے اور ان کی دل جمعی میں خلل انداز ہو

شیخ مذکورہ بالا طرز سے اپنے اسرار و رموز کے مراقبے اور مشاہدے میں لگے رہے، تاکہ ان کے دل میں حق سبحانہ وتعالی کے سوا کسی اور کا گزر نہ ہو، حتّٰی کہ انھوں نے مخلوق سے مکمل اعراض فرمالیا اور مخلوق سے کسی قسم کا سروکار باقی نہ رکھا۔ (جاری)

٭٭٭

# خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کے ارشادات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۵﴾ (لقمان)

ترجمہ: اور اس کی پیروی کرو جو میری طرف مائل ہے پھر میری ہی طرف تمھیں لوٹنا ہے تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں وہ ذات جس کی پیروی سب سے پہلے کی جائے گی وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے بعد اولیا کی پیروی کی جائے گی اور اولیا کی جماعت میں سب سے پہلے صحابہ، تابعین، تبع تابعین آئیں گے اور یہ سلسلہ ولایت قیامت تک جاری رہے گا۔

انھیں مقتدا ہستیوں میں سے ایک خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ ہیں جو برصغیر ہند و پاک میں سلسلۂ چشتیہ کے سب سے پہلے صوفی بزرگ ہیں۔

حضرت خواجہ بارگاہ الٰہی میں اس قدر مقبول ومحبوب تھے کہ جب آپ نے وصال فرمایا تو آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا کہ: حَبِیۡبُ اللّٰہِ مَاتَ فِی حُبِّ اللّٰہِ۔ (اخبار الاخیار)

ترجمہ: اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں اس دنیا سے گیا۔

## شانِ غریب نوازی

آپ پوری دنیا میں ''غریب نواز'' سے مشہور ہیں، یوں تو آپ کی غریب نوازی کے مختلف پہلو ہیں لیکن شانِ غریب نوازی کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو یہاں کے لوگ آپ کے لیے بالکل اجنبی تھے، یہاں کی تہذیب اجنبی تھی اور دین میں بھی اجنبیت تھی کہ لوگ ہر خشک وتر کو پوجنے میں لگے ہوئے تھے، بلکہ یہاں کی زبان بھی آپ کے لیے اجنبی تھی، ایسے حالات میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے یہاں کے غریب اور اجنبی لوگوں کو مختلف باطل معبودوں کی عبادت سے آزادی دلاکر ایک برحق معبود کی بارگاہ تک پہنچایا، ان غریب اور اجنبی لوگوں کو ایمان کی دولت سے نوازا اور جہنم کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے بچالیا، اس بنا پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری قدس سرہٗ ''غریب نواز'' کہلائے۔

## ہندوستان میں اسلام کا غلبہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ سے پہلے بھی مسلمان آچکے تھے اور یہاں رہتے بستے بھی تھے، لیکن اگر اسلام کے غلبے کی بات کی جائے تو ہندوستان میں بڑے پیمانے پر حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی وجہ سے اسلام کا غلبہ ہوا، کفر وشرک کی زنجیریں ٹوٹیں اور یہاں کے لوگ اسلام وتوحید کی چھاؤں میں آگئے۔

امیر خورد کرمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے قدم مبارک کا ہندوستان میں پہنچنا تھا کہ اس ملک میں کفر کی ظلمت نورِ اسلام سے بدل گئی، آپ کی کوشش اور اثر سے جہاں شرک کے واضح نشانات تھے وہاں مسجد ومحراب اور منبر نظر آنے لگے، نیز جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ اللہ اکبر کے نعرے سے گونجنے لگی۔ (سیر الاولیا)

## دعوت وتبلیغ اور سماع

خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ جب ہندوستان آئے اور یہاں کے ماحول کا جائزہ لیا تو آپ نے دیکھا کہ یہاں کے

لوگوں میں ذوقِ عبادت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے اس ذوق کے ساتھ انصاف نہیں کر پا رہے ہیں اور ہر جاندار و بے جان کے سامنے اپنے قیمتی سجدے کو پامال کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ نے ایک بات یہ بھی محسوس کی کہ یہاں کے لوگ ہر چھوٹی بڑی مذہبی رسومات میں سنگیت کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنے باطل معبودوں کو خوش کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، یعنی سنگیت یہاں کے لوگوں کے نزدیک معبودان باطلہ کو راضی کرنے کا مؤثر ذریعہ مانا جاتا تھا، چنانچہ سنگیت میں ان لوگوں کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آپ نے بھی اس کا سہارا لیا اور سنگیت کو سماع کی شکل دے کر اُس سے دعوت وتبلیغ کا اہم کام لیا، وہ یوں کہ جس سنگیت میں کفریہ اور شرکیہ اشعار (لوک گیت) پڑھے جاتے تھے، اس میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اسلام و توحید کے معانی پر مشتمل اشعار پڑھوانے شروع کیے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے کفر کے بوتل میں توحید کی شراب پلانے کا کارنامہ انجام دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے وہ توحید کی پناہ میں آ گئے اور اس طرح سنگیت سے انسیت اور لگاؤ نے اُنھیں آپ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع دیا، جہاں ان لوگوں نے آپ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھا، آپ کی کتابِ زندگی کا مطالعہ کیا اور آپ کی محبت بھری باتیں سنیں جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں دین اسلام راسخ ہوتا چلا گیا اور لوگ زبان حال سے یہ پکارنے پر مجبور ہو گئے کہ: ع

زبان عشق می باید چہ ایرانی چہ سریانی

## تعلیمات اولیا کو زندہ رکھنے کی ضرورت

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی اپنے ہادی و رہنما کی تعلیمات پر عمل کیا وہ کامیاب رہی مگر جیسے ہی اس قوم نے اپنے مقتدا و پیشوا کی تعلیمات سے دوری اختیار کی اور ان کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ دیا، تباہی و بربادی اس کا مقدر بن گئی اور وہ چاہ کر بھی نہ دنیا میں سرخرو ہو سکی اور نہ دین میں کامیابی حاصل کر سکی۔ پچھلی امتوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا اور امت محمدیہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

آج ہم لوگوں کی صورت حال یہ ہے کہ وہ اللہ سے، انبیا سے اور اولیا سے محبت کا دعوی تو کرتے ہیں مگر ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں اور حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ بزرگان دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔

آج زیادہ تر لوگ اولیا کے مزارات پر محض اس لیے حاضری دیتے ہیں کہ ان کا کاروبار اچھا ہو جائے، ان کی جسمانی بیماری دور ہو جائے، وہ مقدمہ جیت جائے وغیرہ، جب کہ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اولیا کی بارگاہ میں اس نیت سے جاتے ہیں کہ ان کی آخرت سنور جائے، وہ دیندار ہو جائیں، ان کے دل میں اللہ و رسول کی محبت گھر کر جائے اور دین اسلام کا بول بالا ہو۔

ہم سب کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ جنھوں نے اپنی عمر عزیز اللہ تعالیٰ کے دین پھیلانے اور لوگوں کا رشتہ خالق حقیقی سے مضبوط کرنے میں گزار دی، یا گزار رہے ہیں، جو ہمارے لیے حصول دین کا ذریعہ ہیں اور جن کی صحبت ہمیں اللہ کی رضا سے قریب کر دیتی ہے اُنھیں کو ہم نے دنیا کمانے کی مشین سمجھ لیا ہے، اب ہم اپنے ان اعمال کی وجہ سے ناکام و نامراد نہ ہوں گے تو کیا سربلند و سرخرو ہوں گے۔

ذرا سوچیے تو سہی کہ ایک طرف تو ہم ان بزرگوں کو دین حاصل کرنے کا ذریعہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ان کے صدقے ہم دین طلب کرنے کے بجائے صرف دنیا طلب کرتے ہیں جب کہ دین کے مقابلے دنیا کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا...۴۱ (بقرہ)

ترجمہ: میری ان واضح نشانیوں کے بدلے دنیا کا تھوڑا مال مت خریدو۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ...۷۷ (نسا)

ترجمہ: اے محبوب! آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ دنیا کا مال بہت تھوڑا ہے۔

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اولیائے کرام اللہ کی نشانیاں ہیں اور دنیا حقیر شئے ہے، چنانچہ ان نشانیوں کو معمولی مال (دنیا) حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنا کر دین میں کامیابی اور آخرت میں نجات کا وسیلہ بنایا جائے تاکہ اللہ و رسول کی رضا حاصل ہو اور ہم لوگوں کا شمار اللہ کے ان بندوں میں ہوں جو اس کے فرماں بردار ہیں نہ کہ ان بندوں میں جو نافرمانوں میں ہیں۔

## ارشادات وتعلیمات

ان ہی امور کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہاں سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے ارشادات وتعلیمات سے چند باتیں پیش کرتے ہیں جنھیں اپنا کر اوران پر عمل کرکے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی وکامرانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

### قربِ الٰہی کا ذریعہ

اللہ رب العزت سے قریب ہونے کا طریقہ بتاتے ہوئے خواجہ قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

● لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرماں برداری کریں، کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

### عارف اور عاصی کی علامت

عارف کی پہچان کیا ہے اور گنہ گار کی پہچان کیا ہے؟ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

● بدبخت کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبول بارگاہ ہونے کا امیدوار ہو اور عارف کی علامت یہ ہے کہ تمام لغویات سے خاموش اور آخرت کے خوف اور مولیٰ کے غم میں ڈوبا رہے۔

### اللہ کے دوست کی پہچان

کوئی یہ کیسے سمجھے کہ وہ اللہ کا دوست ہے، اس کی علامتیں کیا ہیں؟ اس تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

● جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے:

۱۔ سخاوت میں دریا کی طرح ہو

۲۔ شفقت میں آفتاب کی طرح ہو

۳۔ تواضع میں زمین کی طرح ہو

### نعمت وعظمت کا حصول کیسے ہو؟

جاہ وحشمت اور نعمت کیسے حاصل ہو؟ اس سلسلے میں نصیحت فرماتے ہیں:

● راہ خدا میں جس کسی نے نعمت پائی وہ سخاوت سے پائی اور جو سبقت حاصل کرتا ہے وہ باطنی صفائی سے حاصل کرتا ہے۔

### عذاب سے نجات

عذابِ آخرت سے نجات کیسے حاصل ہو؟ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

● جو چاہتا ہے کہ قیامت کے عذاب سے مامون و محفوظ رہے اُسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر اطاعت نہ ہو۔

پوچھا گیا: وہ کون سی اطاعت ہے؟

فرمایا: مظلوموں کی فریاد کو پہنچنا، ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھلانا۔

### اللہ کی معرفت

اللہ کی معرفت کیسے حاصل کی جائے؟ اس تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

● اللہ رب العزت کو پہچاننے کی علامت یہ ہے کہ مخلوق سے دوری اختیار کی جائے اور معرفت میں خاموش رہا جائے (یعنی صرف ضروری کاموں سے مخلوق کی طرف متوجہ ہو، باقی ہر لمحہ اللہ کی طرف متوجہ رہے اور جب اللہ کی معرفت حاصل ہونے لگے تو اسرار کو چھپائے رکھے)۔

### سچے فقیر کی پہچان

سچے فقیر کی پہچان کیا ہے؟ اس کی نشان دہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● مرید، مقام فقر (مقام عبدیت) پانے کا اس وقت مستحق ہوتا ہے، جب وہ عالم فانی (ختم ہونے والی دنیا) میں اللہ کی ذات، اس کے ارادے اور اس کی رضا سے باقی ہو جائے۔

پوچھا گیا: وہ ثابت کب ہوتا ہے؟ فرمایا:

اس وقت جب گناہ کا لکھنے والا فرشتہ بیس سال تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھے۔

### طریقت میں سکون

طریقت کی راہ میں سکون پانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● طریقت کی راہ میں سکون حاصل کرنے کے لیے دو چیزیں ہیں:

۱۔ عبودیت یعنی بندہ کی حیثیت سے رہنا اور جاہ و مرتبہ کی کوئی خواہش نہ رکھنا، اس لیے کہ اس کی تخلیق صرف رب کی عبادت کے لیے ہوئی ہے۔

۲۔ تعظیم الٰہی یعنی ہمیشہ اللہ ہی کو سب سے بڑا جانے اور جو بھی بڑی سے بڑی چیز دیکھے تو اللہ اکبر کہہ کر اپنے رب کی عظمت و کبریائی کو اپنے دل میں بٹھائے۔

### علامت محبت

علامت محبت کا مطلب سمجھاتے ہوئے حضرت خواجہ قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

● محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے سوا (اور اہل اللہ کے سوا) کسی کی اطاعت کرنے والا نہ ہو اور نہ کسی (دنیادار) سے ڈر کر اس کے حکم کے تابع ہو۔

● محبت کی علامت یہ ہے کہ فرماں بردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب (اللہ) کہیں تمھیں اپنی دوستی سے جدا نہ کر دے۔ (یہ نہیں کہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو اب فرائض اور واجبات کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ پتہ نہیں ایمان پر خاتمہ ہوگا بھی یا نہیں)۔

### اللہ کی کبریائی

اس تعلق سے آپ ارشاد فرماتے ہیں:

● بہتی ندیوں کا شور سنو! کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچ جاتی ہیں بالکل خاموش ہو جاتی ہیں (یعنی تکبر، غرور اور گھمنڈ اُسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کسی کو اپنے سے بڑا نہ جانا جائے، اگر ہمارے اندر یہ بیماری ہیں تو ہم جان لیں کہ ہم نے ابھی اپنے رب کی عظمت کو نہیں مانا ہے، کیونکہ اگر اللہ کی عظمت کو مانا ہوتا تو کبھی اپنی تعریف کے خواہش مند نہ ہوتے اور اللہ کی کبریائی کو دماغ میں رکھتے ہوئے ہمیشہ پر سکون رہتے)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوبین کی تعلیمات پر عمل کی توفیق بخشے۔ (آمین) (سیر الاولیا اور اخبار الاخیار)

٭٭٭

# ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہو

یہ مضمون جامعہ عارفیہ کے طلبہ کی جانب سے منعقد سالانہ ثقافتی پروگرام ''جشن یوم غزالی'' میں ہوئی ایک یادگاری تقریر ہے۔اس کی ترتیب مولانا **رکن الدین سعیدی** نے دی ہے جسے عوام کی افادیت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

دوسرا معنی جو اس کا بیان کیا گیا وہ یہ ہے جس کو میں نے شروع میں بھی بتایا کہ انسان کس طرح اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے، کبھی ہم اور آپ نے ماں کے پیٹ میں ہونے کی حالت کے بارے میں غور کیا ہے؟ جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے تو ہمیں کوئی فکر نہیں تھی، نہ کھانے کی فکر رہتی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی۔انسان جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو رب پہ اتنا بھروسہ کرنے والا ہوتا ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔آپ ہی بتایئے کہ انسان جب اپنے ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو کسی سے اس کی دشمنی ہوتی ہے؟ انسان جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو کیا کسی سے اس کو عداوت رہتی ہے؟ یعنی کسی سے کینہ، حسد، بغض وریا وغیرہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کی توضیح مشائخ طریقت نے یہ بھی کی ہے کہ آپ اُمّی تھے یعنی جیسے ماں کے پیٹ میں معصوم تھے دنیا میں آنے کے بعد بھی آپ معصوم ہی رہے۔چنانچہ انسان جب اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُسے کچھ فکر نہیں ہوتی ہے، اگر یہی حالت انسان پر بالغ ہونے کے بعد، شرعی احکام کا مکلّف ہوجانے کے بعد، دنیاوی لوازمات میں پھنس جانے کے بعد اور دنیاوی ضرورتوں کی زنجیر میں جکڑ جانے کے بعد بھی طاری رہے تو یہی حالت اس کی انتہائی حالت ہوجائے گی۔

سارے کام ایک طرف ہوں، رب پر بھروسہ کرنے والا ہو، مسائل ایک طرف ہوں، رب پہ بھروسہ کرنے والا ہو، کربلا کے میدان میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ ماں کے پیٹ کی حالت بنالو، سلوک کی انتہا ہوجائے گی، شہید ہوجاؤ گے، مشاہدے کی نعمت ملے گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلوؤں کا دیدار نصیب ہوگا۔

انسان جیسے اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے وہی حالت اگر بنالے تو یہی حالت اس کی انتہائی حالت ہوجائے گی، لیکن آپ اعتراض کریں گے کہ مولانا صاحب یہ تو اجتماع نقیضین لازم آرہا ہے، وہی ابتدا وہی انتہا اور وہی انتہا وہی ابتدا، یہ تو اجتماع نقیضین ہے اور یہ محال ہے، کیوں کہ ایک ہی چیز ابتدا بھی ہو اور وہی انتہا بھی، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو اہل علم جانتے ہیں کہ حیثیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے، جہت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے، لحاظ بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے اور اعتبار بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک ہی آدمی باپ بیٹا دونوں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سوچ کر بتایئے کہ ایک ہی آدمی باپ بھی ہو بیٹا بھی، یہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بالکل ہوگا، لیکن، جس کا باپ ہو اُسی کا بیٹا؟ جس کا بیٹا ہو اُسی کا باپ؟ ایک جہت سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور جس کا بیٹا ہے اُس کا باپ نہیں، کسی اور کا باپ ہو اور جس کا باپ ہے اس کا بیٹا نہیں، کسی اور کا بیٹا ہو، یہی تو ہو رہا ہے، ہوسکتا ہے کیا؟ وقوع کے بعد دلیل امکان کی کیا ضرورت، یہ تو ہو ہی رہا ہے، ایک جہت سے باپ، بیٹا نہیں ہوسکتا، الگ الگ جہت ہوگی، الگ الگ حیثیت ہوگی، الگ الگ اعتبار وجہات ہوں گے تو ہوسکتا ہے، وہی حالت ابتدائی حالت، وہی حالت انتہائی حالت کیسے ہوجائے گی؟

ماں کے پیٹ کی حالت ابتدائی اس لیے تھی کہ اس وقت آپ کو ضرورت نہ تھی تب توکل کر رہے تھے، اس وقت آپ کو کوئی دشمنی میں مبتلا نہیں کر رہا تھا تب کینہ حسد سے پاک تھے، اس وقت آپ کے اوپر لوازمات نہیں تھے تب آپ ان حالتوں سے مزین تھے، ان کیفیات اور عوارض کو اپنے اوپر طاری کیے ہوئے تھے، یہ سارے عوارض، موانع کے نہ ہونے کے وقت تھے، ماں کے پیٹ میں اور بالغ ہونے کے بعد موانع موجود ہیں تب بھی یہی حالت ہو جائے، روکنے والی چیزیں موجود ہیں تب بھی یہی حالت ہو جائے، بیٹا اسکول کی فیس مانگنے کے لیے کھڑا ہے تب بھی یہی حالت ہو جائے، بیوی اپنا خرچہ مانگ رہی ہو تب بھی یہی حالت ہو جائے، ماں کے پیٹ میں وہ حالت ابتدا اس لیے ہے کہ وہاں موانع نہیں ہیں، بلوغ کے بعد وہی حالت انتہا اس لیے ہے کہ موانع کے باوجود وہی حالت باقی نظر آرہی ہے:

مارڈالے گی مجھے عافیت کنج چمن
جوش پرواز کہاں جب کوئی صیاد نہ ہو

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو اٹھتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

یہ خواہشات، یہ ضرورتیں، ہمیں آگے بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب کیا ہے، فرشتے اس سے پہلے تھے، جو ہیں وہ ہیں ہی، کوئی ضرورت ہی نہیں ان کی، وہی حالت آپ کی ابتدائی حالت ہے، ماں کے پیٹ میں موانع نہ ہونے کی وجہ سے وہی حالت بلوغ کے بعد آپ کی انتہائی حالت ہو جائے گی، موانع پائے جانے کے باوجود وہی ہے حیثیتیں الگ الگ ہوگئیں، جہت الگ الگ ہوگئی، وہی ابتدا انتہا، وہی انتہا ابتدا بھی ہے، پھر جب حیثیت الگ الگ ہوگئی تو وہی حالت ابتدا کیسے رہی؟ جب حیثیت الگ الگ ہوگئی، جہت الگ الگ ہوگئی تو وہی ابتدا کیسے رہی، اس کو یوں سمجھئے کہ آدمی جس کا باپ ہے اس کا بیٹا نہیں، جس کا بیٹا ہے اس کا باپ نہیں، لیکن باپ ہونے میں جہت بھلے ہی بدل جائے لیکن حالت تو وہی پائی جا رہی ہے، اسی حالت کے پائے جانے کی وجہ سے ابتدا کو انتہا اور انتہا کو ابتدا بتایا اور جہت ایک نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نقیضین بھی لازم نہیں آیا۔

اب ہم اپنی ابتدائی حالت پہ آئیں گے کیسے؟ تو سنئے مشائخ طریقت نے ابتدا صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرطیں لازم قرار دی ہیں: سب سے پہلی شرط ہے دوام طہارت۔ پہلی شرط جو اپنی ماں کے پیٹ کی حالت کی طرح حالت طاری کرنا چاہتا ہے، اس کی سب سے پہلی شرط ہے دوام طہارت یعنی پاکیزگی کو اپنے اوپر لازم کرنا، ہر لمحہ پاک رہنے کی کوشش کرے، ظاہری نجاست سے پاک رہنے کی کوشش کرے اور باطنی نجاست سے بھی پاک رہنے کی کوشش کرے۔ گویا ساری نجاستوں سے مکمل طہارت حاصل کرے اور دوام طہارت زندگی کے کسی ایک حصے میں نہیں، بلکہ ساری عمر اس پر ہمیشگی برتتا رہے۔

پیغمبر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خَيْرُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا۔

ترجمہ: سب سے بہتر عمل وہ ہے جس کے اوپر انسان مداومت (ہمیشگی) برتے۔

ورنہ ایک لمحے کے لیے ایسا جذبہ بھی آئے گا کہ ہم ٹرین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے توکل کرتے ہوئے، کنویں میں کود جائیں گے توکل کرتے ہوئے، لیکن یہ حالت ایک لمحے کے لیے نہیں اللہ سے دعا مانگتے ہوئے، کوشش کرتے ہوئے، انسان بلوغ سے لے کر قبر میں جانے تک یہ حالت اپنے اوپر طاری رکھے۔

دوسری شرط ہے دوام صوم، روزے پر ہمیشگی برتنا۔

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں کہ: روزے پر مداومت (ہمیشگی) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ کھائے ہی نہیں اور زندگی بھر بھوکا رہے، بلکہ روزے پر مداومت کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نہ کھائے کہ اس کا نفس قوی (موٹا) ہوجائے، اتنا نہ کھائے کہ وقت فجر سو کر گزارنا شروع کردے، اتنا نہ کھائے کہ جلدی نیند کی وجہ سے عشا کی نماز چھوٹ جائے، اتنا نہ کھانے لگے کہ نفس اس کے اوپر غالب ہونے لگے، کھانے کے لیے زندہ نہ رہے، ہاں! زندہ رہنے کے لیے ضرور کھائے، نہیں تو اگر کھانا ہی چھوڑ دے گا تو بھوک کی وجہ سے نماز میں کھانے کی طرف دھیان لگا رہے گا، یہی سبب ہے کہ اگر کسی کو بھوک لگی ہو تو اس حالت میں جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے، یعنی ایسی بھوک لگی ہو کہ اگر جماعت میں چلا گیا تو اس کی پوری توجہ کھانے کی طرف رہے گی، اس لیے وہ کھانا کھا کے جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی بھوک بھی نہ ہو کہ فرائض ادا کرنے میں خلل ڈالے اور نہ ہی اتنا کھا لیا جائے کہ وہ فرائض سے دور کرنے والا ہوجائے۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں کہ: جب انسان بیچ والی حالت میں ہو تو نہ بھوک کا اثر ہوگا نہ ڈکار کا اثر ہوگا اور وہ فرشتوں کی مانند ہوجائے گا کہ نہ اُن کو بھوک لگی ہوتی ہے اور نہ کھانے کی ثقالت (بھاری پن) کا احساس ہوتا ہے، گویا جس نے زندگی دی ہے اس کو منانے اور زندہ رہنے کے لیے کھائے۔

تیسری شرط ہے دوام سکوت، یعنی بوقت ضرورت بولنا ورنہ خاموش رہنا۔

اللہ کا نام لینے، ذکر خیر کرنے، ضرورت کی بات بولنے اور اس کے علاوہ خاموش رہنے میں ہی عافیت اور بھلائی ہے، کیوں کہ: ؎

بولو تو موتی مونگا ورنہ رہو گونگا

یعنی صرف اچھی بات کہئے، اب دوام سکوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ عالم ہیں اور آپ سے کوئی دین کی بات پوچھنے کے لیے آئے تو آپ کہیں کہ ہم دوام سکوت میں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ذکر خیر کریں، اچھی بات کہیں، ضرورت کے وقت بولیں، اس کے علاوہ لایعنی باتوں سے جن سے نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، اپنی زبان خاموش رکھیں، کیوں کہ انسان جب تک بولتا رہتا ہے، دل خاموش ہو کر اس کی بات سننے میں لگا رہتا ہے اور جب انسان چپ ہوجاتا ہے اور اپنی زبان بند کرلیتا ہے تو دل بولنا شروع کردیتا ہے۔ قرآن مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش کے بعد، حضرت مریم علیہا السلام کے پس و پیش کا عالم یہ تھا کہ معاشرے کو کیا جواب دوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جاؤ اتنا کہہ دینا کہ میں نے اپنے رب کے لیے خاموشی کا روزہ رکھ لیا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام معاشرے میں آتی ہیں، لوگ پوچھتے ہیں: اے مریم! تیری شادی نہیں ہوئی ہے، بچہ کہاں سے لائی ہو؟ حضرت مریم چپ ہیں، پھر سوال پہ سوال، پھر چپ!!! پھر حضرت مریم بچے کی طرف اشارہ کرتی ہیں، قرآن شاہد ہے کہ جب حضرت مریم نے زبان بند کرلیا ہے تو ان کا بچہ (عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے) بولنا شروع کردیا ہے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ: انسان جب اپنی زبان بند کرلے گا تو طریقت کا بچہ یعنی دل بولنا شروع کردے گا۔

لیکن آج ہماری صورت حال یہ ہے، کچھ اور بولنے کو نہ ملے تو کسی نہ کسی کی چغلی ہی شروع کردیتے ہیں، غیبت ہی شروع کردیتے ہیں، جب کہ دوام سکوت یعنی غلط باتوں سے اپنی زبان کو بند کرنے کی پوری کوشش ہونی چاہیے، تاکہ چپ رہ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے افعال اور اس کے احکام میں فکر کرکے اس کی صفات تک اور صفات سے جتنا وہ چاہے اس کی ذات تک ہم رسائی حاصل کرسکیں۔

چوتھی شرط ہے دوام خلوت، یعنی اپنے آپ کو ہمیشہ الگ

تھلگ رکھنا۔

الگ تھلگ رہنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ جماعت ہو رہی ہو اور آپ یہ کہیے کہ ہم دوام خلوت میں بیٹھے ہوئے ہیں، خلوت کی توضیح میں صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں:

تَسْدِیْدُ الْحَوَاسِ الظَّاھِرَةِ لِفَتْحِ الْحَوَاسِ الْبَاطِنَةِ۔

ترجمہ: خلوت نام ہے باطنی حواس کے کھلنے کے لیے ظاہری حواس کے بند کر دینے کا۔

خلوت کس کا نام ہے؟ یعنی باطنی حواس کے کھلنے کا، اب جس دل کے بولنے کی ہم بات کر رہے ہیں، یہ دل جو بولتا ہے وہ سنتا بھی ہے، ورنہ صرف بولے اور سنے ہی نہیں، عجیب بات ہوگی۔ جیسے آدمی بولتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، دل بھی بولتا، سنتا ہے۔ دل کے بھی محسوس کرنے کی پانچ قوتیں ہیں اور جسم کے بھی پانچ ہیں، مثلاً سننے کی قوت، دیکھنے کی قوت، سونگھنے کی قوت، بولنے کی قوت، حرارت و برودت (ٹھنڈا گرم) کے احساس کی قوت، لمس (چھونے) کی قوت، یہ پانچ ظاہر ہیں جو آپ کے جسم میں پائے جاتے ہیں، ایسے ہی آپ کے قلب کے اندر بھی یعنی آپ کی روح کے اندر، جس کو باطنی طور پر طاری کیا جاتا ہے، اس کے بھی پانچ حواس ہیں۔

خلوت (تنہائی) یہ ہے کہ انسان اپنے کان کو خرافات کے سننے سے بند کر لے، تا کہ دل اچھی باتوں کو سننے میں لگ جائے۔ انسان اپنی زبان کو غلط بات بولنے سے بند کر لے تا کہ دل اللہ کی تعریف میں لگ جائے، انسان اپنی آنکھ کو حرام چیزوں کے دیکھنے سے بند کر لے تا کہ دل اللہ کے جلوؤں کے دیکھنے میں لگ جائے، انسان دنیا کے خرافات کو چھونے اور سونگھنے سے ہٹ جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی خوشبو اس کو مل جائے، اپنے ظاہر حواس کو بند کر لے تا کہ اس کے باطنی حواس کھل جائیں اور یہ کوئی قصہ کہانی اور ہوائی فائرنگ نہیں ہے، آپ یہ بات دل اور دماغ میں بٹھا لیجئے کہ انسان جب بشری تقاضوں میں ڈوبے ہوئے ہونے کے باوجود اور بیشمار گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اگر تھوڑی دیر کے لیے اپنے ظاہری حواس کو بند کرتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے سوجاتا ہے، کبھی زندگی میں ایسا اتفاق ہوا ہوگا کہ آپ کوئی خواب دیکھیں ہوں، آپ خواب دیکھے ہوں یا نہیں، لیکن میں تو کئی بار دیکھ چکا ہوں، مجھے اس کا عملی تجربہ ہے، انسان جب تھوڑی دیر کے لیے سوجاتا ہے اور اپنے ظاہری حواس کو معطل کر دیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سید سراواں کی کوٹھری میں سویا ہوا ہے اور ممبئی کی سڑکوں پر گفتگو کر رہا ہے۔ آپ اپنے گاؤں کی کٹیا میں لیٹے ہوئے ہیں اور نہ جانے دنیا کے کس مقام پر سیر کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھ کو بند کیے تو دل یہیں سے ممبئی دیکھنے لگا، تھوڑی دیر کے لیے آپ نے کان بند کر دیا تو ممبئی کے لوگوں کی باتیں بھی سننے لگے، تھوڑی دیر کے لیے آپ نے اپنے ظاہری حواس کو محبوس و مسدود اور بند کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے باطنی حواس کو کھول دیا ہے۔

اگر ہم جاگتے ہوئے بھی بیداری کے عالم میں وہی حالت طاری کر لیں، خرافات سے حواس کو بند کر لیں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کے حواس کو کھول دے گا۔

دوام خلوت یعنی ہر لمحہ اپنے آپ کو برائیوں سے الگ کر لینا، خلوت کا معنی صرف یہی نہیں ہے کہ بال بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں جا کے بیٹھ جایا جائے، خلوت کا معنی الگ کرنا ہے، اپنے آپ کو گناہوں سے الگ کرنا خلوت ہے، اپنے آپ کو خرافات سے الگ کرنا خلوت ہے، بلکہ جس چیز سے آپ الگ ہو جائیں اس سے خلوت اختیار کرنا ہوگا۔ (جاری)

٭٭٭

# علم غیب: قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۲۶ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے چنانچہ وہ کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا، سوائے ان رسولوں کے جن سے وہ راضی ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ کا ارشاد ہے:

وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ...۱۷۹ (آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ تم کو غیب کی اطلاع بخشے، البتہ وہ اپنے رسولوں میں جس کو چاہے چن لیتا ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۲۴ (تکویر)

ترجمہ: اور وہ (اللہ تعالیٰ یا نبی) غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

پھر ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ...۱۱۳ (نسا)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ...۴۹ (ہود)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

## غیب کا لغوی اور شرعی مفہوم

"غیب" غاب یغیب کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے غائب ہونا، بعد میں بطور مبالغہ اس کا استعمال ان تمام چیزوں کے لیے ہونے لگا جو نظروں سے غائب ہو، اس کی جمع غیوب ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

اَنْتَ نَبِیٌّ تَعْلَمُ الْغَیَابَا
لَا قَائِلاً اِفْکاً وَ لَا مُرْتَابَا

ترجمہ: آپ غیب جاننے والے ہیں، آپ افک اور ریب والی بات نہیں کہتے۔

مشہور امام لغت ابوعبداللہ محمد بن زیاد بن الاعرابی ہاشمی (۱۵۰ھ-۲۳۱ھ) کہتے ہیں:

غیب اس چیز کو کہتے ہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہو، اگرچہ وہ قلب میں حاصل ہو۔ (لسان العرب، ج:۱، ۴۵۶)

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کا ادراک حواس سے نہ ہو سکے وہ غیب ہے۔ غیب کی ضد شہادت ہے اور ہر وہ چیز جو شہود سے تعلق رکھنے والی ہو اسے شہادت کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے: عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ...۷۳ (انعام)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت کا عالم ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی بھی چیز غیب نہیں ہے اور عالم الغیب جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ خود اس معلوم کی حقیقت کے لحاظ سے ہے، ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے بلکہ سب شہادت ہے، یوں ہی جن کو علم غیب حاصل ہوتا ہے ان کے لیے بھی علم کے بعد وہ چیز غیب نہیں رہ جاتی لیکن اس معلوم شئ کی حقیقت کے لحاظ سے اس کو غیب کہا جاتا ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علوم غیبیہ کے کشف کے بعد بھی ان کو غیب کہنا درست ہے، شروع میں مذکور آیات سے اس مفہوم کی تصدیق بھی ہوتی ہے، کیوں کہ ان تمام آیات میں غیب پر اطلاع کے بعد بھی اس علم کو غیب کا ہی نام دیا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں غیب اس علم کو کہتے ہیں جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہو اور اس کی عطا کے بغیر اس علم کو حاصل

کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اب اگر کسی کے پاس علم غیب ہوگا تو وہ باری تعالیٰ کے فیض وجود اور اس کی عطا سے ہی ہوگا۔ قرآنی آیات میں غور کرنے کے بعد اگر غیب کی شرعی تعریف کی جائے تو یہ تعریف سامنے آئے گی:

ہر وہ علم جو اللہ کے ساتھ خاص ہے وہ اس پر اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے ان کو ہی مطلع فرماتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتے، یوم آخرت، تقدیر وغیرہ، ان سب کا تعلق غیب سے ہے۔

اب یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس مقام پر تین چیزیں ہیں:

۱۔غیب ۲۔علم غیب ۳۔ایمان بالغیب

جنت، جہنم اور ایمانیات کے تحت آنے والی تمام بنیادی باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا علم جب کسی کو حاصل ہوتا ہے تو وہ غیب پر مطلع کہلاتا ہے اور اس علم کو علم غیب کہا جاتا ہے۔ غیب سے تعلق رکھنے والی ان باتوں اور ان کے علاوہ دوسرے امور غیبیہ کے وجود حقیقی اور اس کی حقانیت کا جب یقین حاصل ہو جائے اور دل اس کی تصدیق کر دے تو اسے ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امور غیبیہ کو علم کی صورت میں جب تک منتقل نہ کیا جائے اس وقت تک کیا غیب ہے اور کیا غیب نہیں، اس بات کا علم کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا، گویا غیب جو ایک پوشیدہ حقیقت ہے دوسرے مرحلے میں علم بنتا ہے اور دوسروں کو وہ علم مختلف کیفیات کے ساتھ عطا کیا جاتا ہے اور اسی کیفیت کے ساتھ اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، مثلاً: جنت جو غیب سے ہے اس کے وجود اور اس کی بعض صفات کا علم جس قدر اور جس طرح ہم کو عطا کیا گیا ہے اسی قدر اور اسی طرح ہمارے لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قیامت جس کا تعلق غیب سے ہے اس کے وجود کا علم ہم کو عطا کیا گیا اور تفصیلات نہیں بتائی گئی، چنانچہ ہمارے لیے قیامت پر اسی طرح ایمان لانا فرض ہے۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بندے کو جب تک غیب کا علم اور اس کی تصدیق حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک وہ دائرۂ ایمان میں ہی داخل نہیں ہوگا۔

## علم غیب کے حصول کے ذرائع

اللہ تعالیٰ کا فیض وجود جس سے علم غیب عطا کیا جاتا ہے اس کے پانچ درجات ہیں:

۱۔وحی: لغت میں پوشیدہ طور پر تیزی سے کسی بات کی خبر دینے کا نام وحی ہے، اصطلاح شریعت میں وحی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک جس شریعت اور جس کتاب کی تبلیغ کا حکم دینا چاہتا ہے اس کی خبر اپنے انبیا کو فرشتے کے واسطے سے یا واسطہ کے بغیر دے دے۔

وحی کی تین قسمیں ہیں:

✵ پہلی قسم کو وحی مجرد کہا جاتا ہے اور یہ وہ وحی ہے جس میں اللہ تعالیٰ جس کے دل میں وحی اتارنا چاہتا ہے اس کے دل میں اس طرح اپنی مراد الہام فرما دیتا ہے کہ اس کے من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

✵ وحی کی دوسری قسم میں اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کے واسطے کے بغیر، حجاب میں کلام فرماتا ہے۔ اصطلاح میں اسے ہاتف غیبی کہا جاتا ہے، جیسے: حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے وادی طویٰ میں ایک درخت سے اللہ کا کلام سنا۔

✵ وحی کی تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے کلام فرماتا ہے۔

وحی کی ان تینوں قسموں کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ...﴿۵۱﴾ (شوریٰ)

ترجمہ: کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ کہ کلام قلب میں الہام کے ذریعے ہو یا یہ کہ حجاب میں (ہاتف غیبی کی صورت میں) ہو یا اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو بھیجے جو اللہ کے اذن سے وحی کرے۔

اس آیت کریمہ میں مذکور وحی کی تیسری قسم (فرشتے کے

واسطے سے وحی ) کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے لیکن پہلی دو قسموں (الہام اور حجاب میں فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام ) کا سلسلہ انبیا کے فیضان سے کشف والہام ، ذوق اور ہاتف غیبی کی شکل میں اولیا کے لیے قیامت تک جاری رہے گا۔

یہ الگ بات ہے کہ ان میں انبیا علیہم الصلاۃ والسلام پر ہونے والی وحی کے جیسی قطعیت نہیں ہوگی، ساتھ ہی اولیا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ان علوم کو میزان شریعت پر پرکھیں، اگر وہ کتاب اللہ یا سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیں اور اس پر عمل نہ کریں اور اگر وہ کشف اس خبر واحد کے خلاف ہو جس کا راوی حفظ وعدالت میں تو مشہور ہو لیکن فقہ واجتہاد میں مشہور نہ ہو تو ایسی صورت میں اُن کے لیے کشف پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا، اس لیے کہ فقہائے احناف نے اصول فقہ کی کتابوں میں سنت کے باب میں یہ صراحت کی ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو اور اگر قیاس سے خبر واحد ٹکرا جائے اور راوی حدیث حفظ وعدالت میں تو مشہور ہو لیکن اجتہاد وفتویٰ میں مشہور نہ ہو تو قیاس پر عمل اولیٰ ہے (اصول الشاشی، ص:۷۵، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ ) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کشف قیاس سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے، اس لیے کہ قیاس عقل کا ثمرہ ہے اور کشف روح کا۔ لہٰذا عارفین باللہ جو مجتہدین کی طرح ہوتے ہیں، کے لیے ایسی صورت میں خبر واحد کے بالمقابل اپنے کشف پر عمل کی اجازت ہونی چاہیے، لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ راوی بھی فقہ واجتہاد میں مشہور ہو تو کشف کو ترک کر کے خبر واحد پر عمل کریں اور اس صورت میں وہ کشف والہام وغیرہ ارشادات کی قبیل سے نہیں ہوگا بلکہ وہ مبہمات وموہمات سے ہوگا لیکن اچھی تاویل سے کام لے کر اچھا معنی ضرور لیا جائے گا کیونکہ اولیا محفوظ ہوتے ہیں اور شیطان ان کی جانب راہ نہیں پا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ...﴿۴۲﴾ (حجر)

ترجمہ: میرے خاص بندوں پر تم کو کوئی قدرت حاصل نہیں۔

یونہی وحی کی پہلی دو قسمیں (وحی مجرد اور حجاب میں فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام ) انبیا کی امتوں کے حق میں واجب العمل ہوں گی لیکن اگر صالحین پر الہام ہو یا ان کو ہاتف غیبی سنائی دے تو یہ صرف ان کے لیے ہوگا، ان کے پیروکاروں کے لیے شرعی طور پر واجب العمل نہیں۔

۲۔ کشف: اس کے لغوی معنی کھولنے کے ہیں لیکن اصطلاح شرع میں کشف یہ ہے کہ ماورائے حجاب جو وجود اور شعور سے تعلق رکھنے والے غیبی معانی اور حقائق ہیں، ان پر اطلاع ہو جائے۔ (التعریفات للجرجانی، ص:۲۳۷)

اس کی طرف بھی قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ. (حدید:۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصہ عطا فرمائے گا اور تم کو وہ نور عطا کرے گا جس کی رہنمائی میں تم چلو گے۔

اللہ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ...﴿۲۸۲﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تم کو علم عطا فرمائے گا۔

۳۔ الہام: لغت میں تلقین اور سکھانے کو الہام کہتے ہیں اور اصطلاح میں الہام علم لدنی کو کہتے ہیں اور علم لدنی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں کسی استدلال یا کسی سبب کو اختیار کیے بغیر ڈال دے۔ (مدارج السالکین، ج:۳، ص:۴۳۱)

قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴿۶۵﴾ (کہف)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو اپنی طرف سے علم دیا۔

۴۔ ذوق: لغت میں چکھ کر کسی چیز کا اندازہ لگانے کا

نام ذوق ہے۔ جب کہ اصطلاح میں ذوق وہ عرفانی نور ہے جسے اللہ اپنی تجلی کے ساتھ اپنے اولیا کے دلوں میں ڈال دیتا ہے جس کے ذریعے وہ بظاہر قرآن وسنت سے دلیل موجود نہ ہونے کے باوجود حق وباطل کے درمیان تمیز کر لیتے ہیں۔

(معجم مصطلحات الصوفیہ، ص: ۱۵۴)

اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا۔ (انفال:۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تم کو حق وباطل کے درمیان امتیاز کی قوت عطا فرمائے گا۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:

اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ (سبا)

ترجمہ: بے شک میرا رب دل میں حق ڈالتا ہے وہ تمام غیوب کا عالم ہے۔

۵۔ رویت: لغت میں ظاہری یا باطنی آنکھوں سے کسی چیز کے مشاہدے کو رویت کہتے ہیں۔ (لسان العرب، ج:۵، ص:۸۴)

اور اصطلاح میں رویت یہ ہے کہ دنیا یا آخرت میں کسی چیز کا ظاہری یا باطنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جائے۔

(التعریفات للجرجانی، ص:۱۵۱)

جیسے صوفیہ کو ارواح انبیا واولیا کی زیارت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اسی طرح کی زیارت کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... ﴿۷۵﴾ (انعام)

ترجمہ: اسی طرح ہم ابرہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کراتے ہیں۔

علم غیب کے حصول کے مذکورہ پانچ ذرائع میں پہلی صورت انبیا ورسل کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہ بعد کی چاروں صورتیں نبی اور غیر نبی دونوں کو عام ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ آخر کی چاروں صورتیں انبیا کے لیے وحی کے ہی دائرے میں شامل ہوں گی اور اُن کو وحی ہی کہا جائے گا۔ ان میں بھی کشف کی اصطلاح دراصل الہام، ذوق اور رویت تینوں کو جامع ہے۔ لیکن صوفیہ نے ذوقی وعلمی طور پر چاروں میں فرق کیا ہے، یہ فرق اس قدر لطیف ہے کہ جن کے ساتھ یہ معاملات پیش آتے ہیں وہی اس کو سمجھ سکتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم کی قوت عطا فرمانے کے بعد بیان کی قوت بھی عطا کر دی ہو وہی اس کو سمجھا سکتے ہیں۔

حصول علم غیب کے مذکورہ پانچ ذرائع کے ثبوت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم غیب جس طرح انبیا کو حاصل ہوتا ہے اسی طرح غیر نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنی خاص اصطلاح کی بنا پر اسے غیب کا نام نہ دے، اسے مکاشفہ یا کوئی اور نام دے لیکن معنی کے لحاظ سے ان اصطلاحوں میں کوئی تضاد نہیں ہوگا۔ البتہ یہ علوم جن کے ساتھ قائم ہوتے ہیں ان کے درجات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ علم الٰہی سورج کی طرح ہے تو علوم انبیا اس کی کرنوں کے مثل، خاص اولیا کا علم زمین پر پڑنے والی دھوپ ہے تو عام مومن متقی کا علم اس دھوپ سے گھر میں ہونے والے اجالے کی طرح اور ان میں کسی ایک کو بھی دوسرے کا عین نہیں قرار دیا جا سکتا، چنانچہ کمیت وکیفیت کسی بھی لحاظ سے نہ کرنوں کو سورج کہا جا سکتا ہے، نہ زمین کی دھوپ کو کرن اور نہ اس سے ہونے والے اجالے کو دھوپ کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم غیب پر جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اطلاع دی جاتی ہے اسی طرح اولیائے امت کو بھی اطلاع دی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود انبیا و اولیا کے لیے یہ تعبیر مناسب نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں، عالم غیب یا عالم الغیب ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو علم غیب دیا گیا ہے وہ غیب پر مطلع ہیں تو شرعی اعتبار سے زیادہ بہتر تعبیر ہوگی۔

٭٭٭

غلام مصطفیٰ ازہری

# دین کس سے حاصل کریں

ہر انسان کو خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، عوام ہوں یا علما، خواص ہوں یا محبوبین، سب کو ایک مرشد کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مرشد کون ہوگا؟ وہ کن صفات کا حامل ہوگا جس سے ہم دین سیکھیں گے، چنانچہ اس تعلق سے امام مسلم نے ابن سیرین کا ایک قول نقل کیا ہے کہ:

فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ۔

(مسلم، ان الانسان فی الدین)

ترجمہ: غور کرلو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر وہ فاسق سے دین سیکھنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا...۶ (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس پر خوب غور کرلو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کو ذکر الٰہی سے غافل قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت و فرماں برداری سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا...۲۸ (کہف)

ترجمہ: اور ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جن کا قلب ہمارے ذکر سے غافل ہو۔

ہم اس سوال کے جواب سے پہلے یہ جانیں کہ دین کیا ہے؟ اور دین کس کو کہتے ہیں؟

جن کاموں سے اللہ راضی ہو اور وہ کام سنت رسول کے مطابق ہو وہ دین ہے۔ اور جو کام رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے مگر وہ طریق محمدی کے خلاف ہو تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی، اگر چہ وہ کام وقت کے ائمہ ہی سے کیوں نہ صادر ہوا ہو۔ ہاں! ہم ان کی تردید میں جلدی نہیں کریں گے، کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جو ہم پر واضح نہیں ہوئی: ع

خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ بظاہر ہوش میں ہوں لیکن حقیقت میں وہ مغلوب، بےخود یا مجذوب ہوں۔

داعی اسلام شیخ ابوسعید فرماتے ہیں:

عین ممکن ہے کہ وہ مغلوب ہو
سالک اپنی ذات میں مجذوب ہو

اور فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر کہ:

بے خودی میں سجدۂ در، یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

دین کی تین شاخیں ہیں:

۱۔ایمان ۲۔اسلام ۳۔احسان

ایمان بیج اور جڑ ہے، چنانچہ جیسے جیسے ایمان کا بیج اپنی جڑیں دل کی زمین پر پھیلاتا رہے گا ویسے ویسے اس زمین سے عمل کا پودا نکلتا رہے گا (اُسے ہم اسلام کا نام دیتے ہیں) اور جب عمل (اسلام) کا یہ پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرلے گا تو اس میں احسان (تقویٰ) کا پھل نکل آئے گا جو ایمان کے پختہ ہونے کی علامت ہے۔ اب جا کر عمل پیہم کے ذریعے اس بندے پر مشاہدۂ الٰہی کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے جسے احسان کہا جاتا ہے۔

اگر پودا خودرو ہو تو اُسے کوئی نہ کوئی جانور کھالے گا۔ عام مسلمان کے ایمان و عمل کی حالت ہے جو مسلم خاندان میں پیدا

ہوئے ،اگر یہ صالح مومن سے دین نہ حاصل کریں تو شیطان اس کے ایمان کو ایسے نگل جائے گا جیسے اجگر انسان کو نگل جاتا ہے،ایسی صورت میں اس کا عمل تو برباد ہوگا ہی اس کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا، بلکہ بعض لوگوں کا ایمان ختم بھی ہوجاتا ہے لیکن انھیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی۔

یا تو یہ پودا، درخت ہونے کے بعد بانجھ ہوجائے گا یا بے پھل ہی رہ جائے گا۔ہاں!صرف اتنا ہوسکتا ہے کہ اس کی چھاؤں سے لوگ کچھ فائدہ اٹھالیں، تصوف کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو سالک محض کہتے ہیں۔آج کے باعمل اور صالح علما اور فقہا کی مثال ایسے ہی ایک درخت کی طرح ہے جس کے سائے میں بیٹھا جاسکتا ہے،اس کی گھنی اور مضبوط شاخوں (علم وعمل) سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن ان درختوں میں پھل نہیں آتے،اس لیے اُن کی صحبت میں بیٹھ کر دیدار مولیٰ نہیں کیا جاسکتا۔رہے بےعمل علما تو وہ ببول کے درخت ہیں جن کی قربت جسم وروح اور ایمان وعمل دونوں کو لہولہان کرسکتی ہے۔

یا پھر یہ خود رو درخت ایسا پھل لائے گا جسے کھایا نہیں جاسکتا اور اگر کھایا بھی گیا تو انسان کے لیے اس کا نگلنا مشکل ہوجائے گا۔تصوف میں اُسے مجذوب محض کہا جاتا ہے کیونکہ عام آدمی اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔

لیکن جس درخت کی جڑ اور شاخیں مضبوط ہوں اور اس کا کوئی مرشد اور نگہبان بھی ہوتو وہ بہترین پھل دیتا ہے اور ہر طبقے کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اگر باغباں کامل نہ ہو ،صحیح وقت پہ دوا،غذا،پانی وغیرہ درخت کو مہیا نہیں کرتا ہو،اس کی بےکار شاخوں کو تراشتا نہ ہو تو اس درخت کا پھل عالمی بازار میں بکنے کے قابل نہیں ہوتا۔

آج امراض کی تشخیص اور علاج کے سلسلے میں تین طرح کے ڈاکٹر پائے جاتے ہیں:

۱۔جنرل فزیشین (عام) ۲۔اسپیشلسٹ (خاص)

۳۔سوپر اسپیشلسٹ (اخص الخاص)

اگر دین کی تینوں شاخوں کو ذوق وشوق کے ساتھ کسی ماہر اور کامل سے حاصل کیا جائے تو بہت ہی کم مدت میں کمال تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

ایمانیات کے حوالے سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی عام مرشد کلمہ پڑھاتا ہے تو وہ صرف اللہ کی وحدانیت کا اقرار کراتا ہے۔لیکن اسی کلمے کو اگر کوئی خاص شخص پڑھاتا ہے تو اقرار کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اگر اخص الخاص (سوپر اسپیشلسٹ) یہی کلمہ پڑھاتا ہے تو اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دل میں اگر توحید راسخ ہوجائے تو اس کے دو نتیجے برآمد ہوں گے:

۱۔اللہ پر مکمل بھروسہ ۲۔بندوں سے کوئی شکوہ نہیں

اگر یہ نتیجہ نہ نکلے تو جان لو کہ دل شرک کی غلاظت سے پورے طور پر پاک اور صاف نہیں ہوا ہے اور وحدہ لاشریک لہ پر ایمان ابھی کامل نہیں ہوا ہے۔

اسلامیات کو مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھائے گا تو اُسے صرف رکوع ،سجدہ اور قیام کی کیفیت بتائے گا اور اگر خاص شخص اسے نماز کا طریقہ سکھائے گا تو ارکان نماز کو سنت طریقے سے ادا کرنے کی تلقین کرے گا اور اگر یہی تمام باتیں اخص الخاص بتائے گا تو ساتھ میں اس بات کی اہمیت بھی واضح کرے گا کہ نماز میں پڑھے جانے والے کلمات کے معانی پر غور کرے،اپنے گناہوں کو یاد کرے ،خشوع اور خضوع پیدا کرے اور اپنے دل ودماغ میں یہ تصور پختہ کرلے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہ تصور مضبوط کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

احسانیات کے سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریا سے بچنے

کی تلقین کوئی عام آدمی کرے گا تو محض اسے ناجائز وحرام بتائے گا اور اگر خاص کرے گا تو علامات ریا بھی شمار کرائے گا اور اگر مشائخ کریں گے تو دوسروں میں عیب دیکھنے اور ان میں ریا ڈھونڈنے کے بجائے اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی تعلیم وترغیب دیں گے۔

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حدیث جبریل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کا معنی بتاتے ہوئے یہ فرمایا: تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم سے کم یہ تصور جماؤ کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اس کیفیت کے حصول کا تصور ہی عام علما ومرشدین کے یہاں مفقود ہے۔ خاص لوگوں کے یہاں ہے بھی تو اس معنی میں ہے کہ: بندہ کو نماز میں خشوع اور خضوع پیدا کرنا چاہیے۔

لیکن مشائخ عظام اور عارفین کے نزدیک مومن کا ہر لحظہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۶۲﴾ (انعام)

ترجمہ: میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بندے کو ہر حال میں یہ تصور قائم رکھنا چاہیے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے یا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

اس کے لیے مرشد کا تصور تریاق ہے۔

اس کے علاوہ وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ (یعنی ظاہری اور باطنی ہر طرح کے گناہوں کو ترک کردو) پر عمل کرنا ہوگا اور قلب کو غفلت سے دور کرکے یاد الٰہی میں غرق رکھنا ہوگا، تبھی جاکر یہ کیفیت طاری ہوگی۔ ورنہ الائشوں سے گھرا ہوا دل تجلیات الٰہی کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔

دین کی ان تین شاخوں (ایمان، اسلام، احسان) کو علما کی الگ الگ جماعتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے، مثلاً:

اسلام فقہائے ظواہر سے، ایمان متکلمین اور مقاصد شرع پر نگاہ رکھنے والے فقہا سے اور احسان علمائے ربانیین، عارفین باللہ اور واصلین حق سے حاصل کیا جاسکتا ہے

چونکہ محدثین کی راہ تحقیق وجرح کی ہے، ان سے براہ راست دین حاصل نہیں کیا جاسکتا، ان کے پاس دوائیں تو بہت سی ہوتی ہیں لیکن کون سی دوا کس کام میں کام آتی ہے انھیں اس سے بہت ہی کم واسطہ ہوتا ہے۔

فقہا کی راہ سد ذرائع کی ہے جو اسلامی سرحد کے محافظوں کا کام ہے، متکلمین کی راہ تاویل اور توسع کی ہے جب کہ صوفیا کی راہ ایمان، عمل اور تقویٰ کی ہے۔

اب ذیل میں ہم محدثین اور صوفیا کے نزدیک جن سے دین سیکھا جائے ان کے شرائط اور تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں:

محدثین بیان کرتے ہیں کہ جس سے دین حاصل کیا جائے اس کے اندر چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ مومن اور دین دار ہو ۲۔ حافظہ قوی ہو

۳۔ اخذ حدیث کا سلسلہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک متصل ہو۔

۴۔ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی نقص نہ ہو اور معتمد راویوں کے مخالف نہ ہو۔

صوفیا نے دین حاصل کرنے کے لیے یہ تین شرطیں بتائی ہیں:

۱۔ جس سے دین حاصل کریں اس کا عقیدہ اہل سنت و جماعت (اشعری یا ماتریدی) کے مطابق ہوں۔

۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عالم وعامل ہو۔

۳۔ اس کی صحبت واجازت کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

دونوں گروہوں کے نزدیک کچھ چیزیں مشترک ہیں، جیسے: محدثین کی پہلی دونوں شرطیں صوفیا کی دوسری شرط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہو، میں شامل ہے، کیوں کہ جاننا، یا عالم ہونا، قوت حافظہ اور ذکاوت پر دلالت کرتا ہے اور عمل کرنے والا ہونا، ایمان داری اور دیانت داری پر دلالت کرتا ہے۔لیکن صوفیا کی یہ پہلی شرط ہے کہ دین سکھانے والے کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے موافق ہو، محدثین کے یہاں نہیں پائی جاتی، بلکہ محدثین، خارجی، رافضی، مرجیہ اور قدریہ سے بھی حدیث اخذ کرتے ہیں۔صحاح میں ان کی روایت کردہ احادیث کی کثرت ہے۔

تیسری شرط یعنی یہ کہ دین سکھانے والے کا سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے، دونوں جماعتوں کے یہاں موجود ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک ملاقات یا ہم زمانہ ہونے کا ثبوت ہی قبول حدیث کے لیے کافی ہے۔جب کہ صوفیا کے نزدیک ملاقات اور ایک عرصہ تک صحبت بھی کافی نہیں، بلکہ اسے شیخ کی جانب سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہو۔

کامل شیخ اپنی رائے اور صواب دید کے اعتبار سے اپنے اسی مرید کو اجازت وخلافت دیتا ہے جو اپنے پانچوں حواس ظاہرہ کو گناہوں سے دور رکھتا ہو، یا پھر شیخ کو روحانی اشارات کے ذریعے اسے خلافت واجازت دینے کا حکم ملا ہو۔ان دونوں صورتوں کے علاوہ جو بھی خلافت واجازت کا سلسلہ چل رہا ہے وہ سب تبرکاً ہے، ایسے لوگ خود ابھی دین سیکھنے کے محتاج ہیں دوسروں کو دین کیا سکھائیں گے۔

محدثین کی چوتھی شرط مسائل اخذ کرنے کے سلسلے میں ہے کہ روایت کردہ احادیث سے اسی وقت احکام نکالیں گے جب کہ متن وسند میں کوئی نہ ہو۔

صوفیا کے نزدیک خلیفہ مطلق نائب رسول ہوتا ہے، اسی لیے کبھی ایسے احکام بھی نافذ کرسکتا ہے جو ہمارے ناقص فہم سے بالاتر ہو۔

اس گفتگو سے واضح ہوگیا کہ دین سیکھنا عارفین باللہ کے طریقوں سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ وہ ہر فضیلت کے جامع ہوتے ہیں اور دین کے تینوں اجزا سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اسلامی احکام نافذ کرتے وقت مقاصد شرع نہیں بھولتے، ایمانیات کی تعلیم دیتے وقت تدریج اور انسانی طبیعتوں کا مکمل خیال رکھتے ہیں اور احسان تک رسائی کے لیے ہر ممکن طریقہ ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

یہ ایسے پاکیزہ نفوس ہوتے ہیں جن کا دل ذکر سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور ہمیں انھیں عرفانی شخصیات سے فیضیاب ہونے کی تعلیم دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ (نحل)

ترجمہ: ذاکرین سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال گھر کر گیا ہے کہ صرف سند یافتہ علما اور فقہائے ظواہر سے ہی دین سیکھا جا سکتا ہے اور وہی اللہ کے مقرب ہو سکتے ہیں اور اس کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ خیال درست نہیں ہے، کیونکہ ان تمام شخصیات سے دین سیکھا جا سکتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنا عشق عطا فرمائے، جو دنیاوی امور میں مشغول ہونے کے باوجود یاد الٰہی سے کبھی غافل نہ ہوں، جن کی نمازیں اور جن کا جینا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، یہ سب عارفین ہیں، خواہ وہ تاجر، ڈاکٹر، انجینیر ہوں یا مزدور طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، انھیں کسی سند کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ایسی ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝۶۵ (کہف)

اور ہم نے اُنھیں اپنی جانب سے خاص علم لدنی عطا کیا۔

ان سب سے دین حاصل کیا جا سکتا ہے جب کہ انھیں کسی مرشد نے دین سیکھانے کی اجازت بھی دے دی ہو۔

٭٭٭

جہاں گیر حسن مصباحی

# رزق کے اسباب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ (سورۂ جمعہ)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رازق ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ㊲ (آل عمران)

ترجمہ: بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مزید اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ...⑲ (شوریٰ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف وکرم فرمانے والا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، چنانچہ اگر کبھی کسی کی روزی کم ملے یا سرے سے ہی نہ ملے تو اُسے اس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ رزق کم ملنے یا بالکل نہ ملنے میں ضرور اس کا کوئی نہ کوئی لطف وکرم اور اس کی حکمت پوشیدہ ہے۔

اور بندے کے رزق میں جو کمی بیشی ہوتی ہے وہ بھی اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيرًا بَصِيرًا۔ (اسرا:۳۰)

ترجمہ: بیشک تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا ہے اور جسے چاہے کم دیتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا (اور اُن کے احوال کو) دیکھتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رزق نہ ملنے کے ڈر سے بچوں کے قتل پر سخت بندش فرمائی ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔ (انعام)

ترجمہ: اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مارو، ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی۔

لیکن اس سے زیادہ تر لوگ غافل ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (سبا:۳۶)

ترجمہ: اے محبوب! فرمادیجئے کہ بے شک میرا رب رزق وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے (جس کے لیے چاہے) لیکن زیادہ تر لوگ نہیں جانتے۔

مگر یہاں یہ بات یاد رہے کہ رزق میں کمی، نہ تو اللہ کی ناراضگی کی دلیل ہے اور نہ تو رزق میں زیادتی، اللہ کی رضا کی دلیل ہے، بلکہ یہ سب امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گنہگار کے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیک وفرماں بردار بندوں کے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

ان قرآنی آیات کی روشنی میں یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ رزق میں خوشحالی اور تنگی لانے کا تنہا مالک صرف اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں، یہاں پر ہم چند ایسے اعمال واسباب کا ذکر کرتے ہیں جن کو خود اللہ تعالیٰ نے رزق میں کشادگی و بہتری

کا بہترین نسخہ قرار دیا ہے، مثلاً:

۱۔کسب رزق

اس کا مطلب ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا اور اس کے لیے طرح طرح کے طریقے اختیار کرنا، مثلا: کسانی وکاشت کاری، صنعت وحرفت، تجارت، کاریگری اور نوکری وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوْا فِی مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِزْقِهٖ وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ (ملک)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین آسان کردی تو اس کے رستوں میں چلو اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

۲۔ایمان باللہ اور تقویٰ

ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ اپنی ذات وصفات کے ساتھ موجود ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے۔ چنانچہ اس بات کی نصیحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا. وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (طلاق:۳-۲)

ترجمہ: جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اُسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یعنی جو شخص مصیبت اور دکھ میں صابر رہے گا، بے صبری اختیار نہیں کرے گا اور ممنوعات سے پرہیز رکھے گا اللہ اس کے لیے اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور ایسے طریقے سے اس کو رزق عطا فرمائے گا کہ اس کے گمان میں بھی نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری، تفسیر زیر آیت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ، اتَّخِذُوا تَقْوَی اللّٰهِ تِجَارَةً یَأْتِیَکُمُ الرِّزْقُ بِلا بِضَاعَةٍ وَلا تِجَارَةٍ. ثُمَّ قَرَأَ: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا. وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لا یَحْتَسِبُ۔

(معجم کبیر، ج:۱۵، ص:۶)

ترجمہ: اے لوگو! تجارت میں خوف الٰہی کو لازمی طور پر اختیار کرو، اللہ تمھیں ساز وسامان اور تجارت کے بغیر رزق دے گا، پھر آپ نے یہ آیت: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ ... تلاوت فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اے بوذر! اگر تمام لوگ اگر اس آیت (وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ) پر عمل کرلیں تو یہ اُن کے لیے کافی ہے۔ (مسند احمد، ابوذر غفاری)

علامہ عماد الدین ابن کثیر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ہے اور سب سے زیادہ رزق کی کشادگی کا وعدہ اس آیت: مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ میں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر زیر آیت مذکور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً مِنْ شُبُهَاتِ الدُّنْیَا وَمِنْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَمِنْ شَدَائِدِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

(مسند الفردوس، ج:۱، ص:۱۶۰)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دنیا کے شبہات، موت کی تکلیفوں اور قیامت کی سختیوں سے نجات اور چھٹکارے کا ذریعہ پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے فرزند کو مشرکین

نے قید کرلیا تو اُنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور یہ عرض کیا کہ: میرے بیٹے کو مشرکین نے قید کرلیا ہے اور اُسی کے ساتھ اپنی محتاجی و ناداری کی شکایت کی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اتَّقِ اللّٰهَ وَاصْبِرْ وَأَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صبر کرو اور کثرت سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتے رہو۔

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کی غفلت کی وجہ سے وہ آزاد بھی ہوگئے اور اپنے ساتھ ڈھیر سارا مال غنیمت بھی لے لوٹے۔ (تفسیر بغوی، تفسیر زیر آیت مذکور)

## ۳۔ توکل علی اللہ

یعنی اللہ پر اس طرح بھروسہ رکھنا کہ ہر انسان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور اس نے ہر انسان کے رزق کا وعدہ کر رکھا ہے تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے رزق ضرور دے گا، ہاں! یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ رزق ملنے میں کچھ تاخیر ہو لیکن رزق ضرور ملے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ (طلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اس کے لیے اللہ کافی ہے، بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر کر رکھا ہے۔

یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے تمام مشکلات میں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔

(ابن ماجہ، باب التوکل والیقین)

ترجمہ: اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمھیں بھی اُسی طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندے کو رزق ملتا ہے کہ خالی پیٹ صبح کرتا ہے اور آسودہ حالت میں شام کرتا ہے۔

شعب الایمان کی ایک روایت ہے: مَنِ انْقَطَعَ إِلَى اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ كُلَّ مُؤْنَةٍ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنِ انْقَطَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَيْهَا۔ (التوکل باللہ والتسلیم)

ترجمہ: جو ہر طرف سے الگ ہوکر اللہ کا ہوجائے (اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھے) تو اللہ ہر مشکل میں اس کی کفالت کرتا ہے اور بے گمان رزق دیتا ہے اور جو اللہ سے منھ پھیر کر دنیا کا ہوجائے تو اللہ بھی اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اللہ کو یاد رکھو وہ تمھیں یاد رکھے گا، اللہ کے حکم پر عمل کرو تو اللہ کو اپنے پاس، بلکہ اپنے سامنے پاؤگے، جب کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، جب مدد طلب کرنی ہو تو اسی کی مدد چاہو کہ تمام امت مل کر تمھیں نفع دینا چاہے اور اللہ کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سب کے سب جمع ہوکر بھی تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے اور یہ جان لو کہ مصیبت میں صبر کرنے سے زیادہ نعمت حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(مسند احمد، عبداللہ ابن عباس)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ، فَيُوشِكُ اللّٰهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ۔ (سنن ترمذی، کتاب الزہد)

ترجمہ: جو شخص فاقہ میں مبتلا ہوا اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے فاقہ کو بیان کرے تو اللہ اس کے فاقہ کو دور نہیں کرتا اور جس شخص کو فاقہ ہو اور اللہ سے کہے تو اللہ اس کو جلد یا دیر رزق عطا فرمائے گا۔ (باقی آئندہ)

٭٭٭

اشتیاق عالم مصباحی

# امانت

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰی أَھْلِھَا﴿۵۸﴾ (سورۂ نسا)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تم سب کو امانتیں ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امانت ایک ایسی صفت ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتی ہے، خواہ سماجی زندگی ہو یا معاشی یا اقتصادی، امانت کے بغیر ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ امانتوں کا ضائع ہونا قرب قیامت کی نشانی ہے اور امانت دار ہونا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے امانتوں کی حفاظت اور اس کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے، جب کہ امانت میں خیانت کرنے سے بچنے اور اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِکُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۷﴾ (سورۂ انفال)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

امانت کیا ہے؟ امانت، خیانت کی ضد ہے۔ لغت میں امانت کے معنی حفاظت کرنے اور فریضۂ الٰہی کے ہیں۔ اصطلاح میں جس حق کی ادائیگی اور جس چیز کی حفاظت آپ کے ذمے ہو، اُسے امانت کہتے ہیں۔

امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

شریعت میں باطناً فسق، کبائر اور صغائر پر اصرار سے بچنے کا نام امانت ہے۔

## امانت کے اقسام

اجمالی طور پر امانت کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ امانت فی اللہ ۲۔ امانت فی العبد

۳۔ امانت فی النفس

٭ امانت فی اللہ: جس کو امانت عظمیٰ بھی کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جس کام کا حکم دیا ہے اُسے بجالایا جائے اور جن چیزوں سے روکا ہے اُن سے پرہیز کیا جائے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید کا حکم دیا ہے اور شرک سے روکا ہے، اب ہم پر لازم ہے کہ اللہ کی ذات وصفات اور احکام وافعال میں کسی کو شریک اور ساتھی نہ بنائیں اور ہمارا ہر عمل صرف اللہ کے لیے ہو۔

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَوْفُوا بِعَھْدِ اللّٰہِ إِذَا عَاھَدْتُمْ۔ (نحل:۹۱)

ترجمہ: اور جب تم اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرو تو اس کا وعدہ پورا کرو۔

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَأَوْفُوا بِعَھْدِیْ أُوْفِ بِعَھْدِکُمْ۔ (بقرہ:۴۰)

ترجمہ: اور تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے اس آیت میں عہد سے مراد مامورات ومنہیات لیے ہیں جن کا امین ہر مومن بندہ ہوتا ہے۔

٭ امانت فی العبد: اس کا مطلب ہے بندوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

بندوں کے حقوق بہت زیادہ ہیں ان سب کی حفاظت امانت فی العبد کہلاتا ہے، مثلاً کسی کے سامان اور راز کی حفاظت، ماں باپ کا خیال رکھنا، بچوں کی اچھی تربیت کرنا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا اور قریبی رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کے علاوہ اس کے حقوق ادا کرنا وغیرہ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ عَبْداً نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مُقِيتًا مُمَقَّتًا، فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مُقِيتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ. فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ. فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ۔ (ابن ماجہ، باب ذہاب القرآن)

ترجمہ: اللہ رب العزت جب کسی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیا اٹھا لیتا ہے، پھر وہ خالق اور مخلوق سب کا ناپسندیدہ ہوجاتا ہے اور جب اس سے امانت دور کردی جاتی ہے تو وہ خائن (خیانت کرنے والا) ہوکر اللہ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے اور جس سے اللہ کی رحمت دور ہو جاتی ہے وہ ملعون ومردود ہو جاتا ہے اور جو ملعون ہوا اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکال لی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (متفق علیہ، باب العبد راع)

ترجمہ: تم میں ہر ایک امیر ہے اور امیر سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۳﴾ (حجر)

ترجمہ: تیرے رب کی قسم! ہم ضرور ان سے ان کے عمل کے بارے میں سوال کریں گے۔

امام اپنے مقتدی کا امیر ہے، اس سے مقتدیوں تک صحیح دین پہنچانے کا سوال ہوگا، ہر شخص اپنے گھر کا امیر ہے اس سے گھروالوں کی اصلاح وفلاح کا سوال ہوگا، عورت اپنے شوہروں کی امانت اور بچوں کی تربیت کی نگراں ہے، اس سے ان کی تربیت وامانت کے بارے میں پوچھا جائے گا، خادم اور کسی کے ماتحت کام کرنے والوں سے اس کے کام اور وقت کے بارے میں سوال ہوگا۔

اسی طرح مریض ڈاکٹروں کے لیے امانت ہے ڈاکٹروں کو چاہیے کہ مریض کا وہ مرض جس کا ظاہر ہونا اسے ناپسند ہو اس کو دوسروں سے نہ بیان کریں، ایسے ہی میاں بیوی کے راز بھی ایک دوسرے کے لیے امانت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهٖ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔ (مسلم، باب تحریم افشا سر المرأۃ)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا ٹھکانہ اس شخص کا ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس آئے یا عورت اپنے شوہر کے پاس آئے، پھر شوہر بیوی کا راز فاش کردے۔

٭ امانت فی النفس: اللہ تعالی نے ہمارے اندر جو بھی نعمتیں رکھی ہیں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا امانت فی النفس کہلاتا ہے، مثلا: آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔

اللہ تعالی نے ہمیں آنکھیں اس لیے دی ہیں تا کہ قدرت

کے مناظر دیکھ کراس کی وحدانیت کو دل میں جمائیں اور حرام چیزوں سے نگاہیں نیچی رکھیں، کان سے اچھی اچھی باتیں سنیں فحش اور گندی باتوں پر کان نہ لگائیں، زبان پر ہمیشہ ذکر خیر ہو اور زبان جب بھی کھلے لوگوں تک سلامتی پہنچے، ہاتھ اور قدم کا استعمال اللہ کے لیے ہو نہ کہ گناہوں کے لیے۔

اگر کوئی مسائل شرعیہ کا عالم ہو تو اس پر لازم ہے کہ لوگوں تک صحیح دین پہنچائے اور ان کے اعتقاد و اعمال کی اصلاح کرے، اگر مذکورہ صورتوں پر ہم عامل نہیں تو یہ جان لیجئے کہ یقیناً ہم خائن ہیں، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہم ابھی صحیح طور پر مومن ہی نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ۔ (مسند احمد، انس بن مالک)

ترجمہ: اس شخص کا ایمان کامل نہیں ہے جو امانت دار نہ ہو۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ امانت، خیانت کی ضد ہے، اس اعتبار سے عوام الناس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ لوگ جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے امانت کے محافظ ہیں، یہ مومنین ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جنھوں نے ظاہری و باطنی ہر طرح سے امانت ضائع کر دیا یہ مشرکین ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جو بظاہر امانت کے محافظ ہیں لیکن باطنی طور پر امانت میں خیانت کرتے ہیں، یہ منافق ہیں۔

اب خود ہم اپنا محاسبہ کریں اور یہ فیصلہ لیں کہ ہمارا شمار کس گروہ میں ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو علمی، عملی، دینی اور دنیاوی ہر طرح کی خیانتوں سے بچائے۔ (آمین)

٭٭٭


ماہ رمضان کے موقع پر قارئین کے لیے بہترین تحفہ

ماہنامہ خضر راہ الہ آباد کا خصوصی شمارہ

**رمضان وزکاۃ**

پر مشتمل ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

تاجر حضرات سے گزارش ہے کہ اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی دیں

ایجنسیاں بھی اپنی اپنی کاپیاں بک کرالیں

رابطے کا پتہ:

شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

E-mail: khizrerah@gmail.com, +91931292253

امام الدین سعیدی

# صراط مستقیم کا حصول

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَ مَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ (آل عمران)

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لیا اُسے صراط مستقیم کی ہدایت مل گئی۔

اس آیت میں واضح طور سے بیان کر دیا گیا کہ صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے اللہ سے تعلق مضبوط ہونا چاہیے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر صراط مستقیم پر چلے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس دنیا میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو بھی مسافر سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے وہ کبھی بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا، اگر چہ وہ برسوں تک سفر کرتا رہے، یہی حال ہماری زندگی کا ہے کہ اس دنیاوی حیات کو بامقصد بنانے کے لیے اور اپنے مطلوب حقیقی کو پانے کے لیے صراط مستقیم پر چلنا پڑے گا جو نجات کا واحد راستہ ہے۔

اسی لیے ہم اپنے رب سے صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں:

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۵﴾ (فاتحہ)

ترجمہ: اے مولیٰ! ہمیں سیدھی راہ چلا۔

کیونکہ جسے صراط مستقیم کی ہدایت ملتی ہے وہی کامیاب ہوتا ہے، نجات پاتا ہے اور اس پہ چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔

اب سوال یہ ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت کیسے حاصل ہو؟ آخر ہم کون سا عمل کریں یا کس نظریے پر اپنی فکر و نظر کو مرکوز رکھیں جس سے صراط مستقیم کی رہنمائی حاصل ہو؟

اس کے لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ سے اپنا تعلق مضبوط کر لیا اسے صراط مستقیم کی ہدایت مل گئی۔

اب ایک یہ بھی مسئلہ ہے کہ اللہ سے مضبوط تعلق کیسے پیدا ہو؟

اس ضمن میں ٹھیک اس کے بعد اگلی آیتوں میں تعلق باللہ کے لیے تین بنیادی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن سے صاف اشارہ ہے کہ تمسک باللہ کے لیے ان کو اپنانا ضروری ہے، گویا تین ایسے امور ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

یہ تین چیزیں بالترتیب اس طرح ہیں:

**۱۔ خوف و خشیت**

جس کا ثبوت اس آیت میں ہے، ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اللہ سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام کی حالت ہی میں وفات پاؤ۔

اس کا مطلب ہے کہ اللہ رب العزت کا خوف ہمارے دل میں پیدا ہو، مثلاً: اس کی ناراضگی کا خوف، اس کی بے نیازی کا خوف، اس کے عذاب و عقاب کا خوف، اس کے قہر و جلال کا خوف اور اس کی گرفت کا خوف، جس سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔

خوف الٰہی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا

کیا جائے، ناشکری نہ ہو اور ہر پل اس کا ذکر کیا جائے، گویا جب تک اطاعت، شکر اور ذکر کا جذبہ پیدا نہ ہوگا اس وقت تک خوف الٰہی کا تصور ناممکن ہے۔

**۲۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا**

جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، اللہ فرماتا ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۔ (آل عمران)

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

اس کا مطلب ہے کہ ہر اس چیز کو مضبوطی سے تھام لیا جائے جو اللہ تک پہنچا دے، اگر اس کا عام معنی مراد لیا جائے تو حبل اللہ سے یہی مراد ہے اور خاص معنی مراد لیا جائے تو کسی نے قرآن مراد لیا، کسی نے سنت رسول مراد لیا، کسی نے جماعت مراد لی، کسی نے عہد و پیمان مراد لیا اور اگر ساری مرادوں کو یکجا کر دیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو اللہ کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنے اُسے مضبوطی سے تھام لیا جائے، چاہے وہ جس صورت میں ہو۔

اُسے رسی سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جو بھی پر خطر اور باریک راستہ پر چلتا ہے وہ خائف رہتا ہے کہ کہیں پاؤں پھسل نہ جائے، لیکن جب اُسے رسی کا سہارا مل جاتا ہے تو بے خوف ہو کر چلنے لگتا ہے، اب اسے پھسلنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ راہ حق سب سے باریک اور پر خطر راستہ ہے، دین و ایمان کے راستے پر نفس و شیطان جیسا عیار و مکار دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے جس کے دام فریب میں آ کر نہ جانے کتنے لوگ بے راہ ہو گئے اور انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہوا، اس لیے اس راہ میں کسی کا سہارا ہونا اور کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس راہ کے خطرات سے واقف ہو اور ہمیں اس شخص پر اعتماد بھی کرنا ہوگا جس کے سہارے ہمیں یہ راہ طے کرنی ہے۔ حتی الامکان خود اعتمادی سے بچنا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد بھی ہے:

وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَيَّ...﴿۱۵﴾ (لقمان)

ترجمہ: اس راہ کی پیروی کرو جو میری طرف مائل کرے۔

لہٰذا ہم ہر اس راہ کی پیروی کریں گے جو اللہ کی طرف لے جانے والی ہو، ہر وہ کام کریں گے جو اس کی مرضی کے مطابق ہو اور ہر وہ نشانی چاہیں گے جو اُس کی طرف رہنمائی کرتی ہو۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
جبین نیاز اپنی خم دیکھتے ہیں

**۳۔ اللہ کی نعمت کا ذکر کرنا**

جس کا ذکر اس آیت میں موجود ہے کہ:

اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ۔ (آل عمران)

ترجمہ: اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔

اس کا مطلب ہے کہ اس کی جو نعمتیں ہمارے اوپر ہیں، چاہے وہ دنیاوی نعمتیں ہوں یا دینی اس کا ہم چرچا کریں۔

نعمت کو یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کیا جائے، نعمت عطا کرنے والے کو یاد کیا جائے اور اس کے احسان اور بے پناہ فضل و کرم کو اپنے وجود میں محسوس کر کے اس کی بارگاہ میں بندگی، عاجزی اور نیازمندی کا ثبوت پیش کیا جائے، اس کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کی شان کریمی پر حمد و ثنا کے ترانے گائے جائے، ہر لمحہ اس کی طرف محتاجگی ہو، ہر سانس میں اسی کا خیال رہے۔

جب ایسی حالت پیدا ہو جائے گی تو بندے کا رب سے

تعلق نہایت مضبوط ہو جائے گا، وہ کسی بھی لمحہ اُسے فراموش نہیں کرے گا، اپنے تن من سے اسے یاد کرے گا، اگر غفلت میں زندگی گذار رہا ہے تو یہ اس کی ناشکری ہے جو اللہ کی رحمت وقربت سے دور کردے گی اور اس کی نعمتوں سے محرومی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

غرض کہ مذکورہ تینوں اوصاف کو اپنا کر ہم راہ مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں جو ہمارا مقصد حیات ہے۔آج کے اس پرفتن دور میں لوگ اپنے خالق ومالک کے بنائے ہوئے منہاج ونظام سے بغاوت پر آمادہ ہیں اور جو دین داری کے نام پر حق کی دعوت دیتے ہیں ان میں اکثر اہل ہوس اور نفس پرست ہیں جو بے عملی و بداعتقادی کو فروغ دینے میں مصروف ہیں اور دین وایمان کی حقیقت سے کوسوں دور، ایسے میں ضرورت ہے کہ اہل حق کو تلاش کیا جائے اور ان کی صحبت اختیار کی جائے، اس لیے کہ خوف وخشیت اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور اس کی نعمتوں کی یاد، یہ تمام احوال ان کی صحبت کی برکت سے بہ آسانی حاصل ہوجاتے ہیں۔

واضح رہے کہ صراط مستقیم اللہ رب العزت کا بنایا ہوا طریقہ ہے، کسی شخص کی ذاتی رائے کا اس میں کچھ دخل نہیں، اس لیے رب کائنات نے جو اصول ہمارے لیے بیان فرما دیے ہیں ان سے ہی ہمیں صحیح رہنمائی مل سکتی ہے، اپنی خواہش اور اپنی مرضی کی اتباع کرنے میں ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

✲✲✲


داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام اللہ ظلہ علینا

کی قلبی واردات، گنجینہ معانی، بحر حقائق ومعارف، مثنوی

## نغمات الاسرار فی مقامات الابرار

کا تیسرا ایڈیشن اپنے نئے رنگ وآہنگ اور ضروری توضیحی حواشی کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔

رابطہ کریں:

### شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) 212213 (یوپی)

Mobile: 07860604036

فیضان عزیزی

# بیمار دلوں کی پہچان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ﴿۹﴾ (بقرہ)

ترجمہ: وہ اللہ کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں تو وہ اُنھیں دھوکا نہیں دیتے بلکہ حقیقت میں خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں (اور اُنھیں اس دھوکے کا جو وہ خود اپنے آپ کو دے رہے ہیں) کچھ شعور نہیں۔

مفسرین کرام اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین اور رسول کو دھوکا دینے کو اللہ کو دھوکا دینا کہا ہے اور اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اس لیے مومن کو دھوکا دینے والے مومن کو نہیں، بلکہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

اس سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔مومنین سے اللہ تعالیٰ کتنی محبت فرماتا ہے کہ اُن کو دھوکا دینے والے کے بارے میں فرمایا: وہ لوگ مومنین کو نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

۲۔ہمیں اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم اپنے مومن بھائی کو دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں، کیونکہ اگر کوئی مومن بھائی کسی مومن بھائی کو دھوکا دیتا ہے تو وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے انسان کو دھوکا کیوں دیتا ہے؟ تو قرآن پاک نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ: فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ۔

ترجمہ: ان کے دلوں میں نفاق و معصیت کا مرض ہے۔

یعنی وہ اپنے مومنین بھائیوں کو دھوکا اس لیے دیتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں حسد، کینہ، بغض، عداوت وغیرہ جیسے امراض ہیں۔ ان امراض کو جان لینے کے بعد بھی اگر ہم ان کا علاج نہ کریں اور مسلسل اپنے دوسرے بھائیوں کو دھوکے پہ دھوکہ دیتے رہیں تو یہ بیماریاں اور بڑھ جائیں گی۔

فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کے مرض کو اور زیادہ کر دیا۔

اس لیے ہمیں ڈرنا چاہیے اور علاج میں جلدی کرنا چاہیے۔

زیادہ تر انسان ایک دوسرے انسان کو جھوٹ کی شکل میں دھوکا دیتا ہے یعنی وہ اپنے بھائی سے جھوٹ پہ جھوٹ بولتا ہے، وعدے پہ وعدہ کرتا ہے مگر اس وعدے کو پورا نہیں کرتا، چنانچہ ایسے لوگ جو جھوٹ بولتے اور دغا دیتے ہیں وہ سخت دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ﴿۱۰﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اور جھوٹ بولنے کے بدلے میں اُن (دھوکا دینے والوں) کے لیے دردناک عذاب ہے۔

چنانچہ اگر اپنے دل کے مرض سے آگاہ ہونے کے بعد بھی ہم نے اپنی اصلاح نہ کی اور جھوٹ، فریب، دغا، حسد، کینہ، بغض اور عداوت سے زمین میں فساد مچاتے رہے تو ہمارا شمار بھی

ان لوگوں میں ہوجائے گا جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝۱۱ (بقرہ)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے (جب کہ انھیں ان کا مرض بتا دیا گیا) کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو (وہ اپنے مرض کا علاج نہیں کرتے اور اس مرض کو اپنی اولاد میں منتقل کرتے ہیں، بلکہ دوسروں میں پھیلا کے) کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

جب کہ وہ خود دل کے سخت امراض میں گرفتار اور زمین میں فساد بر پا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۝۱۲ (بقرہ)

ترجمہ: جان لو کہ وہی (جھوٹے، دھوکے باز) لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر (اپنے مرض کی سختی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) انھیں شعور نہیں۔ (یعنی وہ یہ بھی سمجھ نہیں سکتے کہ برا کر رہے ہیں یا اچھا)

ان کی لاشعوری اور ناسمجھی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی شان کریمی دیکھیے کہ نہ صرف دل میں موجود مرض کی نشاندہی فرماتا ہے بلکہ اس مرض سے نجات اور چھٹکارہ پانے کا بہترین نسخہ بھی (ایمان لانے کی بات) بتاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ ۝۱۳ (بقرہ)

ترجمہ: اور (دل کی بیماری دور کرنے کے لیے) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جیسے (میرے نیک اور صالح بندے مجھ پر) ایمان لائے۔

یہاں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح جسمانی امراض کا علاج ضروری ہوتا ہے اسی طرح روحانی امراض کا علاج بھی ضروری ہوتا ہے، نیز جیسے جسمانی ڈاکٹر کے نسخے پر عمل کیے بغیر جسمانی بیماریوں سے نجات مشکل ہے بعینہ روحانی ڈاکٹر کے نسخے کو اپنائے بغیر روحانی بیماریوں (کینہ، حسد، دغا، مکر، چغلی وغیرہ) سے شفایابی ناممکن ہے۔ صحیح جسمانی ڈاکٹر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے علاج سے بیماری دور ہوتی ہے اور جسم کو سکون ملتا ہے، یونہی صحیح روحانی ڈاکٹر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد آتی ہے، روح کو سکون ملتا ہے اور اخلاقی برائیوں سے پاکی حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح ہم ہمیشہ صحیح ڈاکٹر کی تلاش میں رہتے ہیں اور مل جانے کے بعد اس ڈاکٹر کو نہیں چھوڑتے جب تک کہ علاج مکمل نہ ہوجائے اور وہ جانے کی اجازت نہ دے دے، اسی طرح ہمیں ہمیشہ صحیح روحانی ڈاکٹر کی تلاش و جستجو میں رہنا چاہیے اور جب مل جائے تو اپنے آپ کو اس روحانی ڈاکٹر کے حوالہ کر دینا چاہیے، پھر اس وقت تک اس کی صحبت سے نہیں جانا چاہیے جب تک کہ وہ حکم نہ کر دے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ کبھی بھی اس کے دامن کو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے۔

مگر افسوس کہ وہ لوگ جن پر دنیا طلبی کے فالج نے حملہ کر رکھا ہے، جن کے ہاتھ پیر دین کے راستے پر چلنے سے عاجز ہیں اور جنھوں نے دنیا کی نجاست وغلاظت کو اپنا مقدر سمجھ لیا ہے وہ دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہیں جب کہ وہ خود سب سے بڑے ناسمجھ اور بیوقوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۝۱۳ (بقرہ)

ترجمہ: وہ (فالج زدہ) لوگ کہتے ہیں کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں (جنھیں دنیا سے مطلب نہیں)۔

اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی کہ موت برحق ہے، ہر کسی کو ایک نہ ایک دن موت آنی ہے، اس کے باوجود اس کی تیاری نہیں کر رہا ہے اور مست کتے کی طرح موت کی پٹڑی پر پڑے اس مردار (دنیا) کو نوچے جا رہا ہے، اسے شاید پتہ نہیں کہ موت کی ٹرین بغیر ہارن دیے آتی ہے اور اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو کچلتی چلی جاتی ہے۔ جس کے ایکسیڈینٹ کے بعد نہ تو کسی ڈاکٹر کی اور نہ کسی طبیب کی مجال ہے کہ وہ اس کا علاج کر سکے۔ چنانچہ ان کی بے وقوفی اجاگر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَاۤ اِنَّھُمۡ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ۔﴿۱۳﴾ (بقرہ)

ترجمہ: جان لو کہ! وہی لوگ بے وقوف ہیں مگر (دنیا میں غرق ہونے کی وجہ سے) ان کو اس بات کا علم نہیں۔

اس کے باوجود کہ علم دین، ہدایت کا سورج ہے لیکن جس طرح سورج کی روشنی اُنھیں گھروں میں پہنچتی ہے جن کے دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوتی ہیں بعینہ ہدایت کی روشنی اُنھیں لوگوں کو ملتی ہے جو طلب ہدایت کے خواہشمند ہوتے ہیں، مگر وہ لوگ جو بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں اور اپنے آرام کے لیے بیچ والے کمرے کا انتخاب کرتے ہیں تو ہر طرف سے بند ہونے کے سبب اُن کے کمرے میں روشنی نہیں پہنچ پاتی ہے، ایسے ہی دل میں طلب ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں تک ہدایت کی روشنی نہیں پہنچ پاتی ہے اور کبھی حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ اُنھیں یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب سورج طلوع ہوا، کب غروب؟ اور اپنے کمرے میں روشن بلب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اگر اُن سے کوئی کہتا ہے کہ باہر نکل کر دیکھو اس سے بھی زیادہ روشنی ہے، چنانچہ پہلے تو وہ انکار کرتے ہیں پھر جب اصرار پر باہر نکلتے بھی ہیں تو سورج کی تیز روشنی کے سامنے ان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے اور گھبرا کر کمرے میں جا بیٹھتے ہیں، اسی طرح جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں اُن تک علم دین کی روشنی نہیں پہنچتی، اگر کوئی اُن تک علم دین کی روشنی پہنچانے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اُن کی نگاہیں دین کی چمک کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں اور حق کا سامنا کرنے کی تاب نہیں لاتے۔

ایسے لوگ اپنے نفس کے اس قدر غلام بن چکے ہوتے ہیں کہ حق جانتے ہوئے بھی حق قبول کرنے کو تیار نہیں اور اپنی بیوقوفی یوں ظاہر کرتے ہیں کہ مومنوں میں ہوتے ہیں تو خود کو مومن بتاتے ہیں اور کافروں میں ہوتے ہیں تو خود کو کافر، اس طرح بات تو مسلمانوں کے مذاق اڑانے کی کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اپنا مذاق آپ اڑاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۵﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اور وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب سرکش شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اُن (مومنوں) سے مذاق کرتے ہیں۔ اللہ ان (اور منافقوں) سے استہزا فرماتا ہے

(جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور اُنھیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی وہ سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

جس طرح سورج کے غروب ہونے کے بعد لوگ لائٹ اور بلب کی روشنی سے اپنے گھروں کو روشن کر لیتے ہیں، اسی طرح لوگوں نے دین اور علم دین کی روشنی سے دوری اختیار کر کے دنیا کی لائٹ سے اپنے ذہن ودماغ کو روشن کر لیا ہے اور اب یا تو وہ دین کی روشنی میں نہیں آنا چاہتے، یا اُنھیں دین کی روشنی نظر ہی نہیں آتی، کیوں کہ اُن کی آنکھوں کی روشنی بہت کمزور ہو چکی ہے۔ چنانچہ آج کا داعی جب اُنھیں دین کی روشنی میں لانا بھی چاہتا ہے تو دین کی چمک کو وہ دیکھ نہیں پاتے ہیں، اُن کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور وہ واپس اپنی اندھیری کوٹھری میں چلے جاتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

اس لیے ایسے لوگ جو دین کی روشنی میں آنا نہیں چاہتے یا پھر دین کی روشنی کو اپنی کمزور نگاہ کی وجہ سے دیکھ نہیں پاتے اُنھیں اول صبح میں (حکمت سے) گھر سے باہر لانے کی ضرورت ہے تاکہ نسیم صبح (اسلامی ہمدردی وموانست) سے اُن کے جسم میں کچھ توانائی بھی آجائے اور وہ دین کی روشنی دیکھنے کے قابل بھی ہو جائیں۔

اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے (چاہے داعی ہو یا مدعو) خود کو امراض قلبیہ سے پاک وصاف رکھے، کیونکہ جب تک ہمارا نفس درست نہیں ہوگا اس وقت تک نہ تو ہم سچے داعی بن سکتے ہیں اور نہ ہی بحیثیت مدعو، داعی سے کما حقہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کی توفیق دے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

✲✲✲


## ماہنامہ خضر راہ کے نئے قارئین کے لیے ایک خوشخبری

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ''خضر راہ'' کے پرانے شمارے بھی مطالعہ کریں تو اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، شاہ صفی اکیڈمی کی جانب سے پیش کیا جا رہا ہے خوبصورت اور مضبوط جلدوں کے ساتھ

## پرانے شماروں کا مجموعہ

آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:

**ماہنامہ خضر راہ، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) یو پی۔ پن کوڈ:212213**

Mob: +91-7860604036 / +91-9312922953

# مخدوم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ

اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ (رعد)

ترجمہ:اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ومرشد ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنے بےشمار محبوب بندوں کو ہادی ومرشد بنا کر بھیجا،جنھوں نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کی معرفت کا سبق دیا اور اُسے گمراہ ہونے سے بچایا،انھیں مکرم ومشرف اور ہادی ومرشد بندوں میں سے ایک حضرت مخدوم شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہٗ کی ذات گرامی ہے۔

## ولادت باسعادت

ساتویں صدی ہجری میں ایک سہروردی صوفی بزرگ شاہ اکرم عثمانی قدس سرہٗ ہندوستان آئے اور قصبہ صفی پور ضلع اناؤ کو اپنا مسکن بنایا،ان کی چوتھی پشت میں حضرت عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی قدس سرہٗ (میر سید عبدالواحد بلگرامی کے مرشد) پیدا ہوئے اور ان کی طرف سلسلہ صفویہ منسوب ہوا،اُنھیں کے نام سے موسوم ہوکر''سائی پور'' کا نام بدل کر''صفی پور'' رکھا گیا جو آج بھی صوبۂ اتر پردیش کا مشہور ومعروف قصبہ ہے۔

مخدوم عالم شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہٗ،حضرت شاہ بندگی مبارک قدس سرہٗ کی اولاد میں ہیں جو مخدوم شاہ صفی قدس سرہٗ کے ہمشیرزادے تھے۔آپ کی ولادت ۱۲/رجب ۱۲۲۹ہجری بروز دوشنبہ کی رات قصبہ صفی پور،ضلع اناؤ یوپی میں ہوئی۔

## نام ونسب

آپ کا اصل نام خادم صفی ہے اور والد ماجد کا نام عطائے صفی عرف بڑے میاں ہے۔آپ کے اجداد ظاہری اور باطنی دونوں علوم کے سنگم تھے۔خود آپ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ بھی نیک،پارسا اور متقی و پرہیزگار تھیں۔

مخدوم عالم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ مذہباً حنفی مشرباً چشتی اور نسباً فاروقی تھے،نیز فقر و درویشی آباواجداد سے وراثت میں پائی تھی۔لیکن''پدرم سلطان بود'' کے مصداق نہیں تھے، بلکہ خود بھی راہ طریقت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور سلسلہ صفویہ چشتیہ کے چند قابل فخر بزرگوں میں سے ایک تھے،بلکہ حق تو یہ ہے کہ مخدوم عالم قدس سرہٗ اس سلسلے کے مجدد تھے۔اس تعلق سے عظیم صفوی بزرگ حضرت شاہ قدرت اللہ قدس سرہٗ کا یہ قول سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ:

میرے بعد صفی پور میں ایک ایسا چراغ روشن ہوگا جس پر ایک زمانہ عاشق اور پروانہ وار نثار ہوگا،اس شمع ہدایت سے طالبانِ مولیٰ کی ایک بڑی جماعت فیضیاب ہوگی۔وہ اپنا اور اپنے مرشدوں کا نام روشن کرنے والا ہوگا۔

(تذکرۃ الاصفیا،ج:۱،۳۰)

## تعلیم وتربیت

مخدوم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ کی تربیت نہایت پاکیزہ اور عرفانی ماحول میں ہوئی،یہی سبب ہے کہ آپ میں عام بچوں کی طرح کھیل کود کا کوئی شوق نہ تھا،بلکہ بچپن ہی سے دل

میں طلب مولیٰ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اللہ کے سوا دیگر چیزوں سے کوئی لگاؤ نہ رکھتے تھے اور یہی کیفیت اخیر عمر تک بھی قائم رہی۔

ابتدائی تعلیم صفی پور میں ہوئی۔قرآن کریم کی تعلیم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد شیخ چراغ علی علیہ الرحمہ سے پائی، جب کہ تصوف وسلوک کی کتابیں، جیسے: سبع سنابل، مثنوی معنوی وغیرہ مولوی حکیم ہدایت اللہ سے اور حدیث کی کتابیں حضرت مرزا احسن علی قدس سرہٗ سے پڑھیں، یعنی علوم ظاہری بقدر ضرورت حاصل کیا۔ (ایضاً، ص:۳۶)

## علمی کمال

مخدوم عالم قدس سرہٗ نے باضابطہ کسی مستند مدرسہ سے نہ تو سند لی تھی اور نہ ہی دستار فضیلت، اس حقیقت کے باوجود وہ صوفیائے کرام کے ان اشعار واقوال کی تشریح، بہت ہی واضح اور لطیف انداز میں فرمادیا کرتے تھے جن کو سمجھنے سمجھانے سے اچھے اچھے علما عاجز وبے بس تھے۔

## اتباع شریعت

بچپن ہی سے احکام شریعت کی جو پابندی اپنے اوپر لازم کر رکھی تھی آخر عمر تک اس پر قائم رہے۔نماز پنج گانہ، جمعہ اور عیدین کی امامت خود فرمایا کرتے تھے۔محفل سماع میں استغراق کے باوجود اگر کبھی نماز کا وقت آجاتا تو عین حالت وجد میں بھی نماز اپنے وقت ہی پر ادا فرماتے تھے۔

ایک دن حاضرین میں سے ایک شخص کچھ اشعار پڑھ رہا تھا اور آپ اسے سن کر محظوظ ہو رہے تھے، اسی درمیان عشا کی اذان ہوئی، چونکہ آپ خود ہی امامت فرمایا کرتے تھے، اس لیے لوگ آپ کو نماز پڑھانے کے لیے لے گئے، ادھر آپ پر سماع کے سرور کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے چار رکعات سے کچھ زیادہ رکعات پڑھادیں، نیز رکوع اور سجود میں بھی بہت دیر کی۔نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ اپنے مقام پر آئے اور استغراق کا غلبہ ختم ہوا تو لوگوں نے آپ سے نماز کا واقعہ عرض کیا۔آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر سے وضو کر کے تمام مقتدیوں کے ساتھ نماز دہرائی۔ (تذکرۃ الاصفیا)

آپ قدس سرہٗ کا ظاہر شریعت کا علمبردار تھا اور باطن طریقت کا پاسدار، لغو باتوں سے پرہیز کرتے اور ہمہ دم یادِ الٰہی میں غرق رہتے اور ہمیشہ سیر فی اللہ، مع اللہ اور باللہ میں محو رہتے، نیز طالبانِ مولیٰ کی تربیت اس خوش اسلوبی سے فرماتے تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ محبت الٰہی کی لذت کا احساس کرنے لگتا۔

## اخلاق وعمل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا لحاظ اس قدر فرماتے تھے کہ سلام کرنے میں کبھی بھی پیچھے نہ رہتے۔بارہا لوگ سلام کرنے میں مخدوم عالم قدس سرہٗ پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے لیکن اُنھیں کبھی بھی آپ پر سبقت کرنے کا موقع میسر نہیں آیا۔تذکرۃ الاصفیا میں ہے کہ:

آپ نہایت کریم النفس اور خلق محمدی کے آئینہ دار تھے، ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، کبھی کسی کو برا نہیں کہتے، بلکہ سب کی دلجوئی کرنا اور حسن سلوک سے پیش آنا مقدم جانتے تھے، اگر کسی سے ناراض ہوتے تو صرف اتنا ہی کہتے کہ:''بیوقوف ہے''

اگر کبھی کوئی کام مزاج کے خلاف ہوتا تو صرف اتنا فرماتے کہ: ''بڑی مشکل ہے''

دنیاوی امور سے بھی کوئی تعلق نہ تھا، معصیت سے اس حد تک نفرت فرماتے تھے کہ گناہ کبیرہ تو دور گناہ صغیرہ کا بھی کبھی مرتکب نہ ہوئے۔

### بیعت وخلافت

جب شعور کی منزل میں پہنچے تو ایک مرشد کامل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اپنے ماموں شیخ حفیظ اللہ شاہ قدس سرہٗ (ولادت:۱۲۰۱ھ-وفات:۱۲۸۱ھ) کی خدمت میں حاضری دی اور بقول منشی عزیز اللہ شاہ: بیس برس کی عمر میں اُن کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور پھر ایک دن سب کے سامنے ذی قعدہ ۱۲۵۵ ہجری میں اجازت وخلافت سے بھی نوازدیے گئے۔

غرض کہ شاہ خادم صفی قدس سرہٗ نے اپنی اس امانت کو پالیا جس کی وصیت ان کے دادا پیر حضرت غلام زکریا قدس سرہٗ نے کی تھی۔

واقعہ یہ تھا کہ آپ کی خدمت گزاری سے خوش ہوکر شیخ غلام زکریا نے کہا تھا کہ تمہاری ایک امانت حفیظ اللہ شاہ کے سپرد کر دی ہے جب تم سن شعور کو پہنچو گے تو وہ امانت تجھے مل جائے گی۔ وہ امانت بیعت وخلافت تھی جو بڑے ہونے پر حفیظ اللہ شاہ نے آپ کو عنایت فرمادی۔

مرید ہوجانے کے بعد عشق کی آگ اور بھڑک اٹھی اور اب پہلے کی بہ نسبت زیادہ یاد الٰہی میں غرق رہنے لگے۔

### دعوت وتبلیغ

اجازت وخلافت ملنے کے بعد مخلوق کی جانب متوجہ ہوئے اور ارشاد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کی بارگاہ میں مریدین ومتوسلین کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ موجود رہتی، ان سب کو تعلیم وتلقین اور تزکیہ وتصفیہ کرنا آپ اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق تقریباً بائیس برسوں تک صفی پور سے باہر تشریف نہ لے گئے، برابر خدمت خلق اور عوام الناس کو اللہ کی معرفت کا درس دیتے رہے۔

اس طرح آپ پوری زندگی ناقصوں کو کامل اور کاملوں کو مقتدا و رہنما بنانے میں مصروف رہے، ان میں بیالیس افراد ایسے ہیں جنھیں مخدوم عالم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ نے اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔

### وصال مبارک

مخدوم عالم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ ۱۲۷۷ ہجری کے بعد مسلسل بیمار رہنے لگے، والدہ ماجدہ کے اصرار پر علاج و معالجہ بھی کراتے رہے اور ایک بار مرشد گرامی حفیظ اللہ شاہ کی دعا سے مکمل صحت یاب بھی ہوگئے۔

لیکن ٹھیک مرشد کی وفات کے چھ سال بعد اٹھاون سال کی عمر میں ۱۲/رجب ۱۲۸۷ ہجری کو خالق حقیقی سے جاملے اور صفی پور میں مدفون ہوئے، جہاں آج بھی آپ کا مزار مقدس مرجع خلائق ہے۔

٭٭٭

### اصل تصوف

لوگ تصوف کو ایئر کنڈیشن کی طرح سمجھتے ہیں۔ جب کہ تصوف اس چھت کی طرح ہے جس کے بغیر مکان مکمل نہیں ہوتا۔ (شیخ ابوسعید)

جہاں گیر حسن مصباحی

# شاہ خادم صفی قدس سرہٗ کے ارشادات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۵۹ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ...۵۹ (نسا)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے امیر کی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے رسول کی اطاعت اور امیر کی پیروی کا حکم فرمایا اور امیر سے مراد جہاں صالح حکمران و بادشاہ ہیں، وہیں اللہ کے وہ نیک اور محبوب بندے بھی مراد ہیں جن کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی اور جن کا دل یادالٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوتا، انھیں بندوں میں اللہ کے ایک برگزیدہ بندے مخدوم شاہ خادم صفی قدس سرہٗ بھی ہیں۔

شاہ خادم صفی قدس سرہٗ کی پوری زندگی خدمت خلق اور عوام الناس کی رشد و ہدایت میں بسر ہوئی۔ آپ نے باضابطہ کوئی تصنیف نہیں چھوڑی ہے لیکن دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ہدایت کی مجالس میں جو کچھ ارشاد فرمایا ان میں کچھ آپ کے عقیدتمندوں نے محفوظ کر دیا ہے، یہ ملفوظات آج بھی طالبان حق کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں، ان میں سے چند ارشادات ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

## یقین کے درجات

حضرت خادم صفی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

● یقین کے تین درجات ہیں:

۱۔علم الیقین: یہ ہے کہ ہم نے سنا کہ فلاں جگہ دریا ہے۔

۲۔عین الیقین: یہ ہے کہ ہم دریا تک پہنچ گئے اور اس دریا کو دیکھا۔

۳۔حق الیقین: یہ ہے کہ ہم اس دریا میں کودے اور غسل کیا۔

## احکام شریعت کی پابندی

احکام شریعت ترک کرنے والے کو گمراہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● ہوش و حواس کے باوجود شریعت کے احکام کو ترک کرنا، ضلالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

● جو شخص آسمان پر اڑے یا پانی پر چلے، اگر بال برابر بھی شریعت کے خلاف عمل کرے تو وہ اعتبار کے لائق نہیں۔

احکام شریعت ترک کرنے والے کا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے، اس تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

● فقیر اگر مقام معرفت اور حقیقت سے گرتا ہے تو طریقت اس کا مقام ہوتا ہے، پھر طریقت سے بھی نیچے گرتا ہے تو شریعت پر قائم رہتا ہے لیکن اگر شریعت سے گرا تو پھر اس کے لیے (دوزخ کے سوا) کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔

## نماز تہجد کی فضیلت

نماز تہجد کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● نماز تہجد کی بہت بڑی فضیلت ہے، بزرگانِ دین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ نماز دل کے نور کو بڑھاتی ہے اور کدورتوں کو

دور کرتی ہے۔ پوری نماز اگر نہ مل سکے تو چار ہی رکعات پڑھ لینی چاہیے، اگر فجر کا وقت آ جائے اور صرف دو رکعات ہی مل سکے بشرطیکہ فرض کا وقت تنگ نہ ہو تو دو رکعات ہی پڑھ لے، اگر رات کو سونے میں کسی وجہ سے دیر ہو جائے یعنی نصف شب گزر جائے اور اندیشہ ہو کہ صبح کو تہجد کے وقت ممکن ہے کہ آنکھ نہ کھلے تو تہجد پڑھ کر سوئے، پھر بھی اگر کسی وجہ سے رات کو پڑھنے کا موقع نہ ملے تو چاشت کے وقت قضا پڑھ لینی چاہیے۔

**ارکان نماز کی رعایت**

● ارکان نماز کی رعایت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
جو شخص نماز پنج گانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر تمام ارکان کے ساتھ ادا نہ کر سکے پھر اس سے اور کیا ہوگا۔

**دیانت داری کے خلاف**

علما کے ہوتے ہوئے اپنے علم پر بھروسہ کرنا دیانت کے خلاف ہے، کیونکہ علما اسی کام کے لیے مامور ہوتے ہیں۔

**امیر کی اطاعت**

منزل مقصود تک پہنچنے کے قابل کون ہوتا ہے، اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

● طالب صادق جب تک کسی ولی اللہ کا فرماں بردار نہیں ہوتا، منزل مقصود تک نہیں پہنچتا، یعنی اللہ کے قرب کے حصول کے لیے اس کی اطاعت وخدمت لازمی ہے، اس کا فرمان، اللہ کا فرمان ہے، کیونکہ وہ امور باطن میں اولی الامر ہوتا ہے جیسا کہ آیت قرآنی ہے کہ: اطاعت کرو اللہ ورسول اور ان کی جو تم میں اولی الامر ہیں۔

**پیرزادہ ہونے پر فخر نہ کرے**

پیرزادہ ہونے پر فخر کو حصول منزل میں روکاوٹ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● اکثر لوگ فخر کرتے ہیں کہ میں پیرزادہ ہوں اور مرشدزادہ ہوں۔ یہی خیال ان کی راہ میں روڑا ثابت ہے اور کچھ حاصل نہیں کرنے دیتا: ع

حجاب راہ توئی حافظ از میاں برخیز

(حافظ ہی تو راستے کا پردہ بنا ہوا ہے، خود درمیان سے اٹھ جا تو یہ پردہ بھی اٹھ جائے گا)

**مرشد قبلۂ حقیقت ہے**

مرشد کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

● مرشد قبلۂ حقیقت اور کعبۂ طریقت ہے، پیر کے آداب میں دفتر کے دفتر سیاہ ہیں۔

**ولی کی علامت**

اس تعلق سے فرماتے ہیں:

● اس وقت جو شخص نماز پنج گانہ شرائط کے ساتھ ادا کرے وہی ولی ہے۔

**قلب کا تصفیہ**

قلب کی صفائی کیسے ہو، اس تعلق سے فرماتے ہیں کہ:

● دل کا آلائش دنیوی سے پاک رکھنا اور اللہ کے سوا خیالات کو دل سے نکال دینا قلب کا تصفیہ ہے اور یہ بات ذکر الٰہی اور مرشد کامل کی توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

● جب تک انسان کے قلب کی صفائی نہیں ہوتی کشف قبور حاصل نہیں ہوتا۔ جب صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو کشف قبور کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے جو کچھ قبر سے مکشوف ہوتا ہے خود اپنے سینے میں ظاہر ہوتا ہے۔

### گالی بکنے کا انجام
گالی کے نقصانات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:
● ایک بار گالی بکنا چالیس روز کی عبادت کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔
### آیات غضب کی تلاوت
مزارات پر حاضری دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:
● بزرگان دین کے مزارات پر آیات رحمت کے علاوہ آیات غضب کی تلاوت نہ کرنی چاہیے۔
### ہر انسان برابر نہیں
مرید ہونے کے بعد معصیت میں مبتلا ہونے کی بات چلی تو ارشاد فرمایا:
● اللہ تعالیٰ کے تمام بندے برابر نہیں ہیں، نہ سب پرہیز گار ہیں اور نہ سب گنہ گار ہیں۔ رب کریم ارحم الرحمین ہے، اگر اس نے کل مجھ پر رحم فرمایا اور بخش دیا تو میں اس وقت بہشت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک اپنے سب مریدوں کو ساتھ نہ لے لوں گا۔
### قلب کا نور
کم کھانے پینے کا فائدہ کیا ہے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
● پیٹ بھر کھانے سے عبادت میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے اور کم کھانے سے قلب کا نور بڑھتا ہے۔
### دنیادار کا حال
دنیا اور دنیادار کا حال بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
● دنیا آدمی کو نہیں چھوڑتی، قوت سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دنیادار کا حال یہ ہے کہ ایک خواہش پوری نہیں ہوتی کہ دوسرے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور تمام زندگی اس سے نجات نہیں ملتی۔
### طلب مولیٰ
طلب مولیٰ کو اصل زندگی بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
● طالب مولیٰ کو ''کشف قبور'' اور ''کشف صدور'' کے چکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ جس قدر ممکن ہو طلب مولیٰ میں کوشش کرے، اس لیے کہ جس نے اللہ کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا۔
● طالب مولیٰ کے لیے چلّہ کھینچنا ضروری نہیں، بلکہ وہ تو ہر وقت ہی کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور لوگوں سے کم ملنے کے سبب چلّہ میں رہتا ہے۔
اللہ ہم سب کو ان مشائخ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

✲✲✲


السعی منی والشفاء من اللہ
یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کا تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:
حکیم سرفراز حسین
امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، مین روڈ
دھاراوی ممبئ-17
موبائل:09819291874

# مادیت کیا ہے؟

بتاریخ: ۱۳؍مارچ، ۲۰۱۳ بعد نماز مغرب مجلس میں ہوا، حضرت داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا ماہ نامہ ''خضر راہ'' کے لیے لکھے گئے چند مضامین ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ایک مضمون نگار کے نام کے ساتھ ''نظامی'' لگا ہوا تھا تو اس پر آپ پوچھنے لگے کہ ان کے نام کے ساتھ ''نظامی'' کا یہ لاحقہ کس مناسبت سے ہے، پھر فرمایا کہ: یہ صاحب ،صوفی نظام الدین (ولادت: ۱۵؍جنوری ۱۹۲۸۔وفات: ۱۴؍مارچ ۲۰۱۳) امرڈوبھا کے مرید ہیں، اسی لیے ''نظامی'' لکھتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ: ''یہ معروف صوفی نظام الدین نہیں، مجہول صوفی نظام الدین''

دوسرے دن (۱۴؍مارچ) سوا نو بجے کے قریب مولانا عمران حبیبی پرنسپل جامعہ عارفیہ، الہ آباد نے مجھے خبر دی کہ صوفی نظام الدین صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

اس سانحۂ موت پر کسی کو حیرت ہو یا نہ ہو، لیکن مجھے تو لگتا ہے کہ کل کے مجہول آج کے متوفی بن گئے۔ یقیناً شیخ کے لفظ ''مجہول'' سے دنیائے معلوم سے ان کی روانگی کی طرف ہی اشارہ تھا۔

صبح ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد حاضری کی دوبارہ سعادت میسر آئی۔ اس وقت مقامی حضرات کے علاوہ علما اور باریش خواص بھی حاضر مجلس تھے۔ایک حاضر مجلس جناب وکیل صاحب جو الہ آباد سے آئے ہوئے تھے انھوں نے درخواست کی کہ ماہ نامہ ''خضر راہ'' کا کوئی شمارہ مادیت کے بارے میں شائع کیا جائے، کیونکہ روحانیت میں کہا جاتا ہے کہ مادیت سے اپنے کو الگ رکھا جائے۔اس پر داعی اسلام نے برجستہ مادیت کے سلسلے میں مختصراً بتایا کہ:

مادیت اللہ کے سوا ہر چیز کو کہتے ہیں، اللہ کے سوا جو بھی چیز ہے وہ مادہ ہے اور جو مادہ ہے، وہ اللہ نہیں ہے اور جو اللہ ہے، وہ مادہ نہیں ہے، لیکن مادیت ہی سے روحانیت کا سفر شروع ہوتا ہے۔وہ اس طور پر کہ ان مادّوں (مخلوقات) کو دیکھ کر اپنے دل و دماغ میں یہ سوال کیا جائے کہ ان مادوں کا خالق کون ہے، انھیں کس نے بنایا اور کس نے سنوارا؟ اسی کو مادّیت سے کٹنا کہتے ہیں کہ مادوں کی بھیڑ میں رہ کر ان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں سوچا جائے اور اسی کا گن گایا جائے۔

اس کی وضاحت داعی اسلام نے ایک مثال کے ذریعہ فرمائی کہ جیسے آپ کبھی کہیں ایک مقتول کو دیکھتے ہیں تو آپ مقتول کے بارے میں نہیں سوچتے، بلکہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اسے قتل کس نے کیا اور اس کا قاتل کون ہے۔ یا آپ کسی مردہ کو دیکھتے ہیں تو آپ مردہ کے بارے میں سوال نہیں کرتے،

بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کیسے مرا؟

اگر کسی نے بتادیا کہ یہ زہر کھا کر مرا ہے تو آپ آگے دریافت کرتے ہیں کہ کس نے زہر دیا تھا۔ تو آپ دیکھیے کہ ان مثالوں میں آپ کو مقتول یا مردہ سے مطلب نہیں ہے، بلکہ قاتل یا حیلۂ موت سے مطلب ہے، اسی طرح ہمیں دنیا میں رہ کر دنیا سے نہیں، بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے سے مطلب رکھنا چاہیے۔ دنیا سے لگاؤ نہ رکھنے ہی کا مطلب مادیت سے کٹنا اور خالق سے لگاؤ رکھنے ہی کا مطلب روحانیت ہے۔

وکیل صاحب سے مزید فرمایا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ آپ کون ہیں۔ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ آپ کہیں گے کہ میں وکیل ہوں، لیکن وکیل آپ کے جسم کے کس حصے کا نام ہے، یہ ہمیں بتائیے، آپ ہمیں اپنی آنکھ، کان وغیرہ مت دکھائیے کہ یہ وکیل ہیں، کیونکہ یہ تو آنکھ، کان ہیں، وکیل کہاں؟

اخیر میں آپ نے فرمایا کہ:

انسان کو پہلے اپنے آپ کو پہچاننا چاہیے کہ میں کون ہوں، کیونکہ کہا گیا ہے کہ :مَن عَرَفَ نَفسَہ فَقَد عَرَفَ رَبَّہٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔

پھر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے اور میں کس لیے یہاں آیا ہوں۔ یہیں سے روحانیت کا سفر شروع ہوجاتا ہے اور عقل، جس سے غور وفکر کیا جاتا ہے، یہ صرف اللہ کی کاری گریوں کو پہچاننے کا ایک مضبوط ذریعہ ہے، جس سے ان کے صانع (بنانے والے) کا پتہ چلتا ہے، لیکن بارگاہِ الٰہی میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ وہاں بے ہوش مطلوب ہے، باہوش نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی معقول (عقل کی حدود میں سمانے والی) نہیں، بلکہ ماوراء العقل (حدودِ عقل اور سمجھ سے باہر) ہے۔

✲✲✲


## آپ کے میل/ ایس ایم ایس/ فون کا انتظار ہے!

☆ ماہنامہ خضر راہ کے مضامین آپ کو کیسے لگتے ہیں؟ ☆ ماہنامہ خضر راہ میں آپ کا پسندیدہ کالم/مضمون؟

☆ ماہنامہ خضر راہ پڑھنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ ☆ ماہنامہ خضر راہ کو خوب تر بنانے کے لیے آپ کا کوئی مشورہ؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں کوئی ایسی چیز جو آپ کو پسند نہیں؟

E-mail: khizrerah@gmail.com

موبائل: 9312922953

محمد صدام حسین رضوی

# دس انمول نصیحتیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَوْصَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ: لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ، وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا، فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا، فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ، فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مُوْتَانٌ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاثْبُتْ وَأَنْفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَأَخِفْهُمْ فِي اللهِ۔ (مسند احمد، معاذ بن جبل)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی:

۱۔اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اگر چہ تجھے قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔

۲۔اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگر چہ وہ تجھے گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں۔

۳۔جان بوجھ کر فرض نماز ہرگز ترک نہ کرو، کیونکہ جس نے قصداً فرض نماز ترک کر دی، اس کے لیے اللہ کی طرف سے بھلائی اور عذاب سے محفوظ رکھنے کا کوئی وعدہ نہیں۔

۴۔شراب ہرگز نہ پیو، اس لیے کہ شراب بے حیائی کی جڑ ہے۔گناہ سے بچو، اس سے اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔

۶۔جہاد سے نہ بھاگو، اگر چہ زیادہ تر لوگ ہلاک ہو جائیں۔

۷۔جب موت کی وبا پھیلے تو ثابت قدم رہو۔

۸۔وسعت بھر اپنے اہل وعیال کی کفالت کرو۔

۹۔ادب وتہذیب سکھانے میں بے جا نرمی نہ کرو۔

۱۰۔اہل وعیال کے دلوں میں اللہ کا خوف بٹھاؤ۔

اس حدیث کی تشریح اور تفصیل بالترتیب یہ ہے:

● **اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ**

اس میں شرکیہ عمل اور مشرک کی مذمت بیان کی گئی ہے نیز شرک کو بڑا جرم قرار دیتے ہوئے اس سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔یہاں تک کہ اگر قتل ہونے اور آگ میں ڈالے جانے کی نوبت آجائے پھر بھی شرکیہ عمل کرنے یا زبان سے شرکیہ کلمات نکالنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ شرک پر قتل ہونے اور جل جانے کو ترجیح دینا اور ہر حال میں شرک سے بچنا لازم و ضروری ہے، یہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔لیکن اگر جان جانے کا خطرہ ہو تو شرعاً صرف زبان سے اس حال میں شرکیہ کلمات کہنے کی رخصت ہے جب کہ اس کا دل ان شرکیہ کلمات سے مطمئن نہ ہو اور اس کے قلب میں ایمان باللہ راسخ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۶ (نحل)

ترجمہ: جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے اس شخص کے سوا جو انتہائی مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر بولے، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔لیکن جس کا قلب کفر پر راضی

ہوجائے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اُس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی، مروی ہے کہ حضرت عمار نے ایک مرتبہ کفار کے مجبور کرنے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان سے گالی دی اور معبودان باطلہ کو خیر کے ساتھ یاد کیا پھر حضرت عمار نے خود ہی اللہ کے رسول صلی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اس بات کو بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارے قلب کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا دل تو ایمان پر جما ہوا ہے۔ تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنْ عَادُوا فَعُدْ۔ (سنن بیہقی، باب المکرہ علی الرد)

ترجمہ: اگر کفار دوبارہ کلمۂ کفر کہلوائیں تو پھر کہہ دینا۔

مگر جو شخص مجبوری میں زبان سے کلمات کفر کہے اور اس کا دل بھی کفریہ کلمات سے مطمئن ہو تو اس شخص پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

● اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرو

اگر چہ وہ تمھیں اپنے گھر اور جائداد سے بے دخل ہونے کا حکم دیں۔ یعنی ایسا سلوک نہ کیا جائے جس سے انھیں کوئی تکلیف پہنچے، فرماں برداری کے ساتھ، ان کے ہر دکھ سکھ کا خیال رکھا جائے، یہاں تک کہ ماں باپ کو 'اف' بھی کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے 'اُف' بھی نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو اور ان سے نرم لہجے میں بات کہو۔

● جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کرو

کیونکہ جس نے جان بوجھ کر فرض نماز ترک کیا اللہ کی طرف سے اس کے لیے بھلائی اور عذاب سے محفوظ رہنے کا کوئی وعدہ نہیں، یعنی نماز جو تمام عبادتوں میں سب سے اہم عبادت ہے اس کو بلا عذر شرعی ترک کرنا اور قصداً نماز ادا نہ کرنا، واضح طور پر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور جو انسان اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرے گا اس کے لیے اللہ بھلائی اور عذاب سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیوں کر لے گا۔ چنانچہ ایسے لوگ نہ دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں۔

ایک حدیث پاک ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ: یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کو کون سا عمل محبوب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا، وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِينَ لَهُ، وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ۔ (شعب الایمان، الصلاۃ)

ترجمہ: وقت پر نماز ادا کرنا اور جس نے نماز ترک کیا اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں اور نماز دین کا ستون ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ادا نہ کرنا دین کو کمزور کرنا ہے اور دین کمزور کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔

● شراب ہرگز نہ پیو

کیونکہ وہ ام الخبائث یعنی ہر برائی کی جڑ ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔

ترجمہ: شراب نہ پیو کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (مائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور (قسمت معلوم کرنے کے لیے) فال کے تیر ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں تو ان سے بچو ہوتا کہ تم فلاح پاؤ۔

شراب نہ صرف ذہن وعقل کو معطل کر دیتا ہے بلکہ ثواب کا دروازہ بند کر کے گناہوں کا دروازہ کھول دیتا ہے، جیسے بے حیائی، بے ہودگی، حیوانیت، جھگڑا فساد وغیرہ اور ان سب کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور فضل وکرم کا حق دار ہونے کے بجائے لعنت وملامت اور عذاب کا سزاوار ہوتا چلا جاتا ہے۔

**● معصیت یعنی گناہ سے پرہیز کرو**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَرْکَبُوْا الْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّھَا سَخَطُ اللہِ۔ (مسند احمد)

ترجمہ: گناہ نہ کرو، کیونکہ اس میں اللہ کی سراسر ناراضگی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اگر گناہوں سے بچتا ہے تو اُسے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہ دنیاوی آفات وآلام سے محفوظ رہنے کے ساتھ، آخرت میں عذاب سے سلامت رہتا ہے۔

معصیت اس لیے بھی چھوڑنا ضروری ہے کہ تمام فتنہ وفساد کی جڑ یہی ہے۔ آج ہم پر جو بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے رہتے ہیں یہ سب ہماری بداعمالیوں کی نتیجے ہیں، مثلاً: زلزلے، سنامی، آندھی، طوفان وغیرہ۔ اس کے باوجود ہم گناہ سے باز نہیں آتے۔

**● میدان جہاد سے راہ فرار اختیار نہ کرو**

شعب الایمان میں ہے کہ:

وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ کَبِیْرَۃٌ۔ (باب الکبائر)

ترجمہ: اور جنگ کے میدان سے بھاگنا بڑا گناہ ہے۔

شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ حق اور باطل کے درمیان محاذ آرائی ہو تو حق کے ساتھ کھڑے ہو کر باطل کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنی جوانمردی و بہادری کا ثبوت پیش کرو، کیونکہ حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے باطل سے جہاد کی صورت میں جب تک کہ ایک آدمی بھی دین حق کی مدد کرنے کے لیے باقی رہے، مورچے پر ڈٹا رہنا چاہیے اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا، بلکہ ایسے موقع پر راہ فرار اختیار کرتا ہے تو اس کا یہ عمل، گناہ کبیرہ ہے۔''

**● وبائی موت کے شکار لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑو**

کیونکہ اگر تم اس جگہ سے چلے جاؤ گے تو ان کی تیمارداری، مزاج پرسی، خدمت اور وفات پانے والوں کی تجہیز وتکفین کون کرے گا۔

رہا یہ خیال کہ وبا سے متأثر لوگوں کے پاس رہنے سے انسان بھی اس وبا کا شکار ہو جائے گا تو اس منفی سوچ کو ذہن سے نکال دینا چاہیے، کیونکہ انسان کا مرنا اور جینا سب اللہ کی مرضی ومشیت پر موقوف ہے اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ موت برحق ہے سب کو ایک نہ ایک دن موت کے پل سے گزرنا ہے، چنانچہ جب موت کا وقت آئے گا انسان دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے گا موت وہاں پہنچ کر رہے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ

بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ...۞(نسا)

ترجمہ: تم جہاں کہیں رہو موت تمھیں آلے گی، اگر چہ مضبوط قلعوں میں ہو۔

● اپنے اہل وعیال کی کفالت کرو

یعنی ان کی پرورش و پرداخت پر حلال مال اپنی حیثیت کے اعتبار سے خرچ کرو اور ان کی جائز حاجتیں پوری کرو۔ ان کی بنیادی ضرورتیں، جیسے: حلال کھانا، پاکیزہ لباس اور قوت بخش غذا فراہم کرنا، یہ سب اہل وعیال کے حقوق میں شامل ہیں جنھیں ہر حال میں ادا کرنا لازم و ضروری ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے:

اَعۡطِ کُلَّ ذِیۡ حَقٍّ حَقَّہٗ۔ (معجم کبیر، وہب بن عبداللہ)

ترجمہ: ہر حق دار کو اس کا حق دو۔

اس میں ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے میں بخیلی سے کام لیتے ہیں۔ ہاں! ضروریات کے پردے میں فضول خرچی نہ ہو، اس بات کا بھی ہمیشہ دھیان رکھنا چاہیے، ورنہ سخت پکڑ ہوگی۔

● دینی معاملات میں بے جا نرمی نہ کرو

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں سختی سے کام لینا چاہیے، تاکہ دینی امور کی ادائیگی میں کسی بھی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے، اس سلسلے میں بوقت ضرورت انھیں ڈانٹ ڈپٹ بھی کیا جائے، بلکہ اگر یہ خوف ہو کہ تادیبی کارروائی نہ کرنے کی صورت میں گھر والے احکام شرعیہ کو اٹھا کر طاق پر رکھ دیں گے اور بے راہ روی کے شکار ہو جائیں گے تو تادیبی کارروائی ضرور کرنی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب لڑکا سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے اور جب وہ دس سال کا ہو جائے تو نماز ادا کرنے کے لیے سختی سے اس کی تادیب کی جائے۔

گویا ہر جائز کام کی ترغیب اور ہر ناجائز کام سے خوف دلانا سرپرستوں پر واجب ہے، جیسے: بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت، ہر کسی سے حسن سلوک، شریعت کی پابندی، جیسے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے قابل ہے تو ان سب کی ادائیگی کے لیے سختی کرنا وغیرہ۔

● اہل وعیال کو اللہ کا خوف دلاؤ

یعنی ان کے دلوں میں اللہ کے عذاب کا خوف بٹھاؤ، تاکہ وہ اللہ کے احکام وقوانین پر عمل کریں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کے کرنے پر ثواب ہے اس کا شوق دلایا جائے اور جن منہیات کے کرنے پر وعیدیں آئیں ہیں، دل میں اس کا خوف بٹھایا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ برے اعمال میں پھنس کر جہنم کی خوراک بن جائیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہری اور باطنی برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۞ (مائدہ)

ترجمہ: اور اللہ سے خوف کھاؤ، کیونکہ وہ سینوں میں چھپی باتوں کو بھی جاننے والا ہے۔

اس لیے خود اور دوسروں کو احکام الٰہی کا درس دینے کے ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی احکام الٰہی اور ان اعمال کو اختیار کرنے کی تعلیم دینی جن سے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے اور اللہ رب العزت کی رضا بھی۔

✲✲✲

سید سلمان

# دنیا کی حقیقت

دنیا وآخرت دو متضاد چیزیں ہیں، ایک کا وجود دوسرے کا عدم اور دوسرے کا وجود پہلے کا عدم چاہتا ہے یعنی اگر دنیا راضی رہتی ہے تو آخرت ناراض اور اگر آخرت راضی ہے تو دنیا ناراض، یہ دونوں ان دو سوکنون کی طرح ہے کہ ان میں ایک دوسرے سے راضی نہیں رہ سکتا ہے تو جو شخص اللہ کا مقبول بندہ ہوتا ہے وہ تادم آخر اپنے مولیٰ ہی کا طالب رہتا ہے اُسے دنیا اور اہل دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے وہ فقط اسی چیز کا طالب ہوتا ہے جس سے اس کے محبوب کا جلوہ نظر آجائے، اُسے مولیٰ کا وصل نصیب ہو، ایسے لوگوں کو دنیا ذرہ بھر بھی اپنی طرف مائل نہیں کر پاتی ہے۔

دنیا وآخرت کو سمجھنا اور سمجھانا آسان کام نہیں ہے، اس سوال کے جواب سے بہت سارے لوگ عاجز ہیں کہ دنیا کیا ہے اور آخرت کیا ہے؟ ان کا نظریہ دنیا وآخرت کے تعلق سے یہ ہے کہ ساز وسامان اور مال ومتاع وغیرہ دنیا ہے اور نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ آخروی امور سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ جو چیزیں بھی ہیں وہ فقط دنیا اور اس میں مشغولیت ناداری ہیں۔ یہ نظریہ سراسر ناسمجھی پر مبنی ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ دنیا وآخرت کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

## دنیا کی حقیقت

درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب ’’شرح عقائد‘‘ میں علامہ سعدالدین تفتازانی علیہ الرحمہ دنیا کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْعَالَمُ مَاسِوَی اللهِ تَعَالٰی مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ مِنْ مَّا يَعْلَمُ بِهِ الصَّانِعَ۔

یعنی اللہ کے علاوہ موجودات کا نام دنیا ہے جن کے ذریعے صانع (دنیا کے خالق) کو جانا جائے۔

داعی اسلام شیخ ابوسعید احسان اللہ محمدی صفوی (ادام اللہ ظلہ علینا) حقیقت دنیا کی تعریف یوں فرماتے ہیں کہ:

ہر وہ چیز جو تمھیں اللہ سے غافل کر دے وہ دنیا ہے۔

## دنیا کی مذمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (ابن ماجہ، باب مثل الدنیا)

ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهٗ هٰذِهٖ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (مسلم، فناالدنیا)

ترجمہ: دنیا آخرت کے مقابلے میں اسی طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ کیا لے کر لوٹی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرَ اللهِ۔ (ابن ماجہ، باب مثل الدنیا)

ترجمہ: اللہ کے ذکر کے سوا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ ملعون ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔ (سنن ترمذی)

ترجمہ: دینار کا غلام ملعون ہے اور درہم کا غلام ملعون ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ، وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ، فَآثِرُوا مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى۔ (مسند احمد، ابوموسیٰ اشعری)

ترجمہ: جس نے اپنی دنیا کو محبوب و مرغوب رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب و مرغوب رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، پس باقی رہنے والے کو فانی (ختم ہو جانے والے) پر ترجیح دو۔

## دنیا انبیا اور اولیا کی نظر میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے دلوں کو دنیا کی یاد میں نہ لگاؤ۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک دل میں دنیا و آخرت کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

کون ہے جو سمندر کی لہروں پر عمارت بنائے یہ دنیا اسی طرح ہے، تم اسے جائے قرار نہ بناؤ۔

حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا گیا کہ ہمیں ایک ایسی چیز بتایئے جس کے سبب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا محبوب بنا لے، تو انھوں نے فرمایا کہ:

تم دنیا سے عداوت رکھو اللہ رب العزت تمھیں اپنا محبوب رکھے گا۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

اے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو آبادی چھوڑ کر ویرانوں کی طرف نکل جاتے اور اپنے کو ریاضت میں مشغول کرتے، گریہ وزاری کرتے اور ضروری سامان کے علاوہ تمام مال و متاع چھوڑ دیتے، لیکن دنیا تمہارے اعمال کی مالا بن گئی ہے اور دنیا کی امیدوں نے تمہارے دل سے آخرت کی یاد مٹا کر رکھ دی ہے اور تم اس کے لیے جاہلوں کی طرح پھر رہے ہو، تم میں سے بعض لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جو اپنی خواہشات میں اندھے بن کر انجام کی فکر نہیں کرتے، تم سب دینی بھائی ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے اور نہ ہی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو، تمہارے دل کی خباثت نے تمہارے راستے جدا کر دیے ہیں، اگر تم صراط مستقیم پر چلتے تو باہم محبت کرتے۔

حضرت داؤد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف وحی کی: اے موسیٰ! دنیا کی محبت میں مشغول نہ ہونا، میری بارگاہ میں اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لالچ اور دنیا کی بہت زیادہ جستجو کرنے سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اچھی طرح رزق حاصل کرو، کیوں کہ بندے کو وہی کچھ ملتا ہے جو قسمت میں لکھ دیا گیا ہے اور کوئی انسان اپنا رزق ختم کیے بغیر دنیا سے نہیں جائے گا۔

بعض صوفیا کا قول ہے کہ اس شخص پر بے انتہا تعجب ہے جو موت کو حق سمجھتے ہوئے بھی رو رہا ہے، جہنم کو یقینی سمجھتے ہوئے بھی ہنستا ہے، دنیا کی ہلاکتوں کو دیکھتے ہوئے بھی مطمئن ہے، تقدیر الٰہی کو یقینی سمجھتے ہوئے بھی غمگین ہے۔

(مکاشفۃ القلوب)

✲✲✲

# آپ کے SMS

مکرمی!
اپریل ۲۰۱۲ کا شمارہ بدست شہزادۂ حضور امین ملت سید محمد امان میاں قادری نظر نواز ہوا۔ اکثر مضامین کا مطالعہ کیا، دل باغ باغ ہو گیا۔ بالخصوص ''حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ'' جس کو پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ بلاشبہ آپ کا رسالہ قلیل مدت میں جن بلندیوں کو پہنچ چکا ہے وہ قارئین پر پوشیدہ نہیں۔
اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)
محمد اقبال احمد مصباحی، جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، ایٹہ (یوپی)

السلام علیکم!
ماہنامہ خضر راہ درس تصوف کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ خاص کر شہنشاہ صفوی صاحب کی عرفانی مجلس دل کو چھو لیتی ہے۔
اللہ خیر کثیر عطا کرے۔ (آمین) محمد دانش عطاری، گیا

السلام علیکم!
مجھے معلوم ہوا تھا کہ: ''خضر راہ'' واقعی سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے والا ہے۔ لیکن میں تو اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا تھا۔ کمرے میں بھائی مشرقین ہیں، اُنھوں نے کئی مرتبہ اس کو پڑھنے کی تاکید کی۔ چنانچہ میں نے اسی ماہ اپریل کا شمارہ لے کر پڑھا مجھے بہت اچھا لگا اور ان شاء اللہ بہت جلد اُسے جاری کرانے والا ہوں۔
مجھے افسوس اس بات کی ہے کہ میں اس کی تعریف بہت سنتا تھا مگر توجہ نہیں کرتا لیکن پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ اس دور میں ہر مسلمان کو اس ''خضر راہ'' کی ضرورت ہے۔
میری دعا ہے کہ رب قدیر اسے بلندیوں تک پہنچائے۔
جہانگیر عالم، متعلم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

مدیر ماہنامہ خضر راہ سلام مسنون!
خضر راہ کا ایک سالہ کامیاب سفر بہت مبارک ہو!
اپریل کا رسالہ دیکھا، کور پیج بہت ہی خوبصورت اور معنی خیز ہے، جسے میں کافی دیر تک دیکھتا رہا۔ مضامین سبھی اچھے ہیں، کسی ایک کی تخصیص مشکل ہے، پھر بھی اداریہ اور عرفانی مجلس بہت پسند آئی آپ کا رسالہ اسم بامسمیٰ ہے۔
اللہ اسے والآخرۃ خیر لك من الاولیٰ کے مصداق بنائے۔ (آمین) ساجد سعیدی، الہ آباد

السلام علیکم!
اپریل ۲۰۱۳ کا خضر راہ نظر نواز ہوا۔ ٹائٹل پیج دیکھتے ہی ایک عظیم بحث کا خلاصہ سامنے آیا، جس کو ہم درس گاہ کی دنیا میں کافی بحث و مباحثے کے بعد بھی حل کرنے سے عاجز تھے کہ ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ مگر یہاں تو مزید ایک جانکاری اور ہے کہ احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حوصلے کو مستحکم رکھے۔
محمد فیضان، مراد آباد (یوپی)

السلام علیکم!
میری گذارش ہے کہ آپ خضر راہ کے ہر شمارے میں جو بھی اسلامی جنگیں ہوئی ہیں۔ ان کے متعلق تفصیل سے مضمون شائع کریں۔ کنیز فضا

محترم ایڈیٹر خضر راہ!
آپ اپنے مضامین میں جب بھی حکیم الامت، عاشق رسول ڈاکٹر علامہ اقبال کا نام آتا ہے تو صرف ڈاکٹر اقبال پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان القابات سے نوازیں تو بہتر ہوگا۔
شیخ یاسین قادری، نصیر آباد، مہاراشٹر

E-mail: khizrerah@gmail.com, 9312922953

# مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

| الفاظ | معانی | الفاظ | معانی |
|---|---|---|---|
| آیات رحمت | وہ آیات جن میں رحمت الٰہی کا بیان ہے | مجہول | نامعلوم،کم مشہور |
| آیات غضب | جن آیات میں اللہ کے قہر وغضب کا بیان ہے | خودرائی | اپنی بڑائی ہانکنا،اپنی تعریف آپ کرنا |
| ادیان | دین کی جمع،مذاہب | خائن | خیانت کرنے والا |
| الہام | وہ بات جو اللہ دل میں ڈالتا ہے | خندہ پیشانی | خوشی ،چہرے پہ خوشی کا ظہور |
| استہزا | مذاق اڑانا | دلنشیں | دل میں اترنے والا،پسندیدہ |
| امور غیبیہ | عالم غیب کی باتیں | رخت سفر | سفر کے سامان |
| اخذ حدیث | حدیث لینا،حدیث کی روایت بیان کرنا | ظاہری حواس | احساس کی ظاہری قوتیں،جیسے آنکھ،کان وغیرہ |
| اجتماع نقیضین | دو مخالف چیزوں کا ایک ساتھ جمع ہو جانا | غنودگی | اونگھ ، ہلکی نیند |
| اُمّی | جس نے کسی انسان نے تعلیم حاصل نہ کی ہو | محتسب | حساب لینے والا،محاسبہ کرنے والا |
| اصرار | کسی بات پر زور دینا،ضد کرنا | محکوم | جو کسی حاکم کے تحت ہو |
| بارآور | اچھا نتیجہ،رزلٹ،جس کا کوئی حاصل ہو | کشف | کھل جانا،اللہ کی جانب سے علم کا حصول |
| پاسدار | خیال رکھنے والا | وجود آتشیں | آگ والا وجود،جلانے والا |
| توسع | گنجائش،جگہ دینا | فریفتہ | عاشق ،دیوانہ |
| تادیبی کارروائی | اصلاح کے لیے سخت قدم اٹھانا | متصل | ملا ہوا |
| تعفن | بدبو پھیلنا | مکلف | جس پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہوں |
| تشخیص | تعیین کرنا،نشاندہی کرنا | فصیل | شہر پناہ،قلع کی اونچی دیوار |
| خلوت نشیں | تنہائی میں رہنے والا | محبوس | قیدی،قید کیا ہوا |
| خود بینی | اپنے آپ کو بڑا سمجھنا،گھمنڈ | مکشوف | کھلا ہوا،واضح |

# مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

| الفاظ | معانی | الفاظ | معانی |
|---|---|---|---|
| مسدود | بند، جس کا راستہ بند ہو | ملعون | وہ شخص جس پر لعنت کی گئی ہو |
| ماموارت | وہ باتیں جن کے کرنے کا حکم ہو | خلائق | خلق کی جمع مخلوقات |
| منہیات | وہ باتیں جن کے کرنے کا حکم نہ ہو | کفالت | کسی کا خرچ اٹھانا |
| امانت عظمیٰ | بڑی امانت | معطل | بیکار، جس کو برخاست کر دیا ہو |
| مجدد | نیا کرنے والا، دین میں اصلاح کرنے والا | محاذ آرائی | جنگ کی تیاری، مقابلے کی تیاری |
| مبالغہ | بڑھا چڑھا کر بیان کرنا | وعیدیں | برائی پر عذاب کی خبریں |
| لغو | بیکار | وصل | ملنا |
| مقدم | پہلے | جائے قرار | سکون کی جگہ، ٹھکانہ |
| متوسلین | عقیدت مند، وسیلہ چاہنے والا | خبر متواتر | حدیث کی ایک اصطلاح، وہ حدیث جس |
| مرتکب | مجرم، گنہ گار | کے راوی اتنے زیادہ | ہوں کہ جھوٹ پر ان کا اتفاق عادۃً ممکن نہ ہو |
| تمسک باللہ | اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا | تواتر | مسلسل اور کثرت |
| تکفیر | کافر قرار دینا | عناد | دشمنی |
| تجہیز و تکفین | کفن پہنانا، دفن کے لیے تیاری کرنا | عجمی | عجم کا رہنے والا، جو عربی نہ ہو |
| بطلان | باطل ہونا یا کرنا | کشف قبور | قبور کے حالات کا واضح ہونا |
| قطعیت | پختہ یقین | مادیت | دنیا کی فکر، غیر روحانی نظریہ |
| رویت | دیکھنا | کیمیا | نہایت کامیاب علاج، کیمسٹری |
| موہمات | شک پیدا کرنے والی بات | | |
| سد ذرائع | فساد کی راہ کو بند کرنا | | |
| جرح | تنقید، | | |
| ناقص فہم | نامکمل سوچ | | |
| عام الفتق | مراد قحط کا سال | | |

ماہنامہ خضر راہ کا
پانچ سالہ ممبر بنیں
صرف -/900 روپے میں

**نوٹ:** مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

# ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

## الہ آباد واطراف

ابومیانز شاہی اسٹور، (نرالا سویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055
**محمد قیس خان**، ممتاز العلوم، ہمئی، کوشامبی۔9936890704
**محمد زبیر عالم**، کریاواں، منصور آباد، الہ آباد-9795252994
**مکتبہ نور**، نوراللہ روڈ، الہ آباد-9415646355
**محمدیہ بک ڈپو**، اسٹیشن روڈ، کھاگا، فتحپور۔9936958324
**محمد امتیاز**، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
**حجاز بک ڈپو**، سیف آباد، پرتاپ گڑھ، یوپی-9839112969
**عمران احمد**، بابو پوروا، کانپور-9839101833
**مولانا منور حسین**، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
**حافظ نیر اعظم**، کینٹ روڈ، لال باغ لکھنؤ-9125139191
منظورالحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، بیپر مارکیٹ، کانپور۔8960539848
**مدرسہ فیض العلوم صابریہ**، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523
**حافظ محمد ظہیر**، شکار پور روڈ، بلند شہر۔9058220141

## ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، دھاراوی، ممبئی-9819291874
**شیخ جاوید اقبال**، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066
**محمد ابراہیم**، شولا پور، مہاراشٹر-9421067863
**ابراہیم**، منگل گیری، شولا پور-9421067863
**عبد الوہاب**، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918
**عادل نورانی**، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766
**گلشن میڈیکیئر**، سکندرآباد، حیدرآباد-27716760
**خادم بکڈپو**، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

## جنوبی ہند واطراف

**محمد سلمان**، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263
**مولانا مشتاق**، بیلگام، کرناٹک-8147449067
**عزیز صدیق احمد**، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034
**غلام ذو النورین**، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623
**قریشی نیوز ایجنسی**، رجک سنیماروڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458
**حافظ شبیر شاداب**، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382
**روشن درسی کتب خانہ**، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

## دہلی واطراف

**خواجہ بک ڈپو**، مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854
**مولانا عبد الودود**، النور مسجد، جنک پوری، دہلی-9650203792
**راجا اسٹیشنری**، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739
**مولانا شفیق**، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786
**الجامعۃ الاسلامیہ**، جیت پور II، دہلی-9650934740
**شاہ صفی اکیڈمی**، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
**حافظ ہارون**، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ-7417842567
**گلاٹی نیوز ایجنسی**، بس اسٹنڈ مہرولی، دہلی۔9250225954
**حاجی حبیب اللہ**، نیوسیلم پوری، نئی دہلی۔9818225177

## کولکاتا واطراف

**نیوز پیپر ایجنٹ**، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140
**بک اسٹال**، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔9330643486
**خانقاہ نعمتی**، مٹیابرج، کولکاتا-09831746380
**مدرسہ سلیمیہ**، فیض العلوم، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
**نسیم بک ڈپو**، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
**رضا بک سینٹر**، روشن گلدار لین، تکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827
**نوری بک ڈپو**، پاچھورسیا، گنجریا بازار، اتر دیناجپور۔09734035478
انجمن وابستگان سلاسل تصوف، گنجریا، اسلام پور۔08972468561

## بہار واطراف

**نوری بک سیلر**، پورب چوک، بائسی، پورنیہ۔08986235393
**امدادیہ بک ڈپو**، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
**دلکش بک ڈپو**، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
**بک ایمپوریم**، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-9304888739
**مراد علی**، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
**انصار بک ڈپو**، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
**مدرسہ عارفیہ** سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919
**رضا بک سیلر**، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679
دارالعلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
**مکتبہ واجدیہ**، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097
**عامر نانگبوری**، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

**نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں: 9312922953**